

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا

بمنہ واحسانہ ایں کتاب مستطاب مشتمل بر بیانِ امورِ خفیہ و کاشفِ اقوالِ دقیقہ

یعنی

مصحف ناطق

حصہ اوّل

المعروف بہ

حسبنا کتابُ اللہ

از رشحات خامہ افادت شمامہ ناشر ناموس ہدایت و کاسر ناقوس غوایت
محقق غوامض شرعیہ و مدقق حکمات فلسفیہ عارف جلیہ عدیدہ و ماہر معالم خفیہ مدیدہ
من القدیمہ و الجدیدہ قاطع اعناق الملحدین و راغم آناف المبتدعین جناب
مولانا مولوی السید محمد سبطین صاحب سرسوی اعلی اللہ مقامہ

حسب فرمائش

سید محمد اصغر جعفری بی۔ اے۔ منیجر رسالہ البرہان لودھیانہ
جون سنہ ۱۹۴۰ء
ماڈرن الیکٹرک پریس جالندھر شہر میں باہتمام کشن چند ماڈرن منیجر چھپا۔ اور
سید محمد اصغر جعفری نے لدھیانہ سے شائع کیا

بار سوم　　تعداد ۱۰۰۰　　قیمت ...

هوالکافی

مصحفِ ناطق

عرف

حسبنا کتاب اللہ

حصہ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الواحد الاحد الفرد المنفرد الملک القدوس السلام المومن المہیمن العزیز الکبیر المتکبر الجبّار المنعم المفضل المتفضل الفضال۔ الّذی کان قبل القبل فی ازل الازال و یبقےٰ بعد البعد من غیر انتقال ولا زوال اختص بالازلیۃ والقدم وغم الخلائق بالنعم وشمل الکائنات باللطف والکرم۔ یمسک الطیر فی جو السماء وینشی السحاب الثقال۔ وھوالحی القیوم الذی لا تاخذہ سنۃ ولا نوم ولا یزول مُلکہ ولا یزال والصلوۃ النامیۃ الباقیۃ الدائمۃ علی تعین الاول والجوھر الاجل والفیض الاکمل الاشمل۔ اول الخلائق ادل الدلائل منذر الخلائق معلم الحقائق ومفسر الدقائق الذی ھو عین الحقیقۃ وحقیقۃ الکمال۔ جاء بالکتاب الذی لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ مصدقا لما قبلہ ومھیمنا علیہ لا تقوم بہ السموات والارض وما بینھما وما فوقھا وما تحتھا ولا تستقر

به رواسی الجبال ۔ وعلی آله وعترته وذریته النجباء النقباء الاصفیاء الشرفاء امناء الله فی خلقه وخلفائه فی ارضه الذین هم خیر البریة وخیر اهل وآل

تعارف

وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ۔ ناظرین باتمکین کو معلوم رہے کہ ۱۹۲۶ء میں ارکان جعفریہ ایسوسی ایشن نے خواہش ظاہر کی کہ مقولہ مشہورہ "حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰهِ" پر ایک مضمون مختصر رسالہ کی صورت میں مرتب کر دیا جائے۔ چونکہ لاہور میں یہ ایسوسی ایشن ایک کارکن جماعت ہے اور اس کے کارنامے قابل صد آفرین ناممکن تھا کہ ان کی فرمائش رد کی جائے اور خواہش پوری نہ کیجائے اس فقدان فرصت کے دوران میں جو عرصہ سے ہماری زندگی کا جزو لاینفک رہی ہے اور ہے ۔ بلا تامل چند صفحات اس کی نذر کر دیئے۔

اول فضائل ومناقب قرآنی پر ایک کافی مبسوط مقالہ سپرد قلم ہوا جس میں بعض اہم فضائل قرآن ناطق لزوماً آ گئے ۔ اور ساتھ ہی علم الکتاب کی حقیقت اور قرآن فہمی کے اصول پر ایک سرسری نظر ڈالی گئی اور آخر میں اس مقولہ کی شان ظہور وبروز اور حدیث قرطاس کے استناد اور اس کے مباحث کو زیر بحث لایا گیا ۔ اور اس طرح ایک خاصہ مجموعہ معارف قرآن صامت وقرآن ناطق تیار ہو گیا ۔ چونکہ اس کی اشاعت انجمن مذکور کی طرف سے ماہ محرم الحرام میں معین وموقت تھی ۔ اس کے نتیجے میں کربلا اور شہید کربلا کا تذکرہ لازم ہوا ۔ کہ اس شہید ناطق کیلئے بحیثیت ظہور جملہ متشابہات قرآنی بدرجۂ اتم واکمل حاصل ہیں ۔ رسالہ شائع ہوا ۔ اور شائع ہو کر مقبول عام وخاص اور بات میں سے بات پیدا ہوتی گئی ۔ اس میں چونکہ قرآن فہمی کے اصول اور اسباب ذرائع وسائل ومواقع سب ہی کا اجمالی ذکر آ گیا تھا ۔ اور یہ عام قرآن فہمی کے مدعی افراد پر گراں تھا ۔ ہمارے بعض احباب نے اس کو محسوس کیا اور اس پر فرمائش کہ اس کی مزید تفصیل کیجائے کیونکہ "حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰهِ" کے صحیح معنی غلط الاستعمال معنوں پر عامل ایک فرقہ حدیث نبوی کا منکر پیدا ہو گیا ہے اور اس نے اپنا نام اس لئے اہل القرآن رکھا ہے کہ اس کیلئے یہ کتاب اللہ کافی ہے ۔ حدیث رسول کی ضرورت نہیں اور وہ کتاب اللہ کو کلاً وجزءً سمجھتا ہے اور ہر ایک حکم واجب وسنتی کو اس کتاب اللہ سے بغیر اعانت بیان رسول وتعلیم معلم روحانی سمجھ سکتا ہے اور سمجھتا ہے ۔ اور وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ۔ اس کی قرآن فہمی کی کھلی دلیل اور بیّن نص ہے ۔ بلکہ یہ فرقہ مدعی قرآن فہمی نہ صرف تمسک اور اتباع

حدیث رسول کا منکر ہے۔ بلکہ وجود حدیث ہی کا منکر ہوگیا ہے کہ حدیث کوئی شے نہیں رسول نے کچھ کہا ہی نہیں ہے وہ تو صرف کتاب اللہ پر مصکر سنا گیا یعنی تبیین کتاب اللہ اور تبلیغ کتاب اللہ جو اس کا اصل اور اولی فرض ہے اس نے گویا ادا نہیں کیا اور وہ ان بد اعتقاد قرآن فہموں کے نزدیک صرف ایک برید (چٹھی رساں) کی حیثیت رکھتا تھا۔ آیا اور مالک کا خط دیکر چلا گیا۔ اور یہ رسول کے معنے بس برید (ڈاکیا) لیتے ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر اس بحث قرآن فہمی کو وجود بیان پیغمبری اور احادیث نبوی کی بحث لازم ہوگئی۔ اور اس ضمن میں کتاب و سنت۔ عمل اصحاب۔ حکم خدا و حکم رسول۔ شہادت رسول اور حکم قرآن۔ طاعت اولی الامر و متابعت کتاب اللہ۔ اختلاف طبائع انسانی اور برہان پیغمبری۔ اور ارشاد رسول و اہل القرآن۔ قرآن فہمی کا لب لباب۔ اتباع حدیث پیغمبری اور شہادت ثلثہ وغیرہ مباحث آگئے اور ان شبہات میں اختلاف و تناقض۔ آیات قرآنی بھی شامل۔ اور یہ مدعیان قرآن فہمی و اہلیت کتاب اللہ۔ انکار احادیث نبوی میں یہ عذر ریک پیش کرتے ہیں کہ چونکہ احادیث مرویہ میں بیحد اختلاف ہی اس لئے ان پر عمل نہیں ہوسکتا۔ اس سے ان پر یہ اعتراض خود عائد ہوگیا کہ تم آیات قرآنی اور ان کی ترتیب میں بھی اختلاف روایت کرتے ہو اور ان روایات کو تاریخی حیثیت حاصل ہوگئی ہے جس سے انکار محال ہے تو پھر عمل بر قرآن بھی اسی طرح تمہارے لئے ناممکن ہوگیا جس طرح عمل بر حدیث بنابریں اختلاف اس مدعا کی تشریح نے مصحف ناطق کا حصہ دوم مکمل کردیا۔ اور چونکہ وہ بھی ایسوسی ایشن مذکور کی طرف سے محرم الحرام ہی میں شائع کیا جانیوالا تھا۔ اس میں بھی ذکر حسین اور شہادت حسین لازم اور اہل القرآن کی ستم ظریفی اور قرآن ناطق پر تیغ ظلم کے عنوان کا اضافہ کیا گیا۔ اور ۱۹۲۷ء میں یا یوں کہئے کہ ۱۳۴۵ھ میں یہ حصہ بھی ہدیۂ ناظرین ہوکر مقبول ہوا۔

پھر بات میں سے ایک بات نکلی حصہ دوم میں ضمناً اختلاف قرأت و ترتیب آیات کی بحث نہایت اختصار کے ساتھ درج ہوگئی تھی اور اس سے مسئلہ تحریف قرآن جو اکثر بین الفریقین معرکۃ الآراء رہتا ہے خود بخود پیدا تو یہ بحث خود محتاج تفصیل ہوگئی اور اس لئے ایک اور حصہ لکھنا لازم چنانچہ اس سے تیسرے حصے کی بنا پڑی۔ لیکن اس کی تالیف و تصنیف میں عوائق و موانع زیادہ حائل ہوتے رہے اور زمانہ تالیف کو طول ہوگیا۔ اور اس طرح وقتاً فوقتاً اس کے موضوعات میں مزید عنوانات کا اضافہ ہوتا رہا۔ اور ان حسب ذیل تفصیلی مباحث کے ضمن میں کہ قرآن کے حقیقی فضائل و مناقب کیا ہیں وہ کہاں پائے جاتے ہیں۔ قرآن کا حقیقی وجود کس فرقہ اسلامی میں

مسلّم ہے۔ فی الواقع متبع قرآن کون ہے سنی حضرات یا شیعہ حضرات اور کیا اہل سنت حقیقۃً قرآن پاک پر اعتقاد رکھتے ہیں؟ یہ مباحث آ گئے۔ نفحات القرآن (قرآن کے فضائل و مناقب قرآن کی زبان سے فضائل و مناقب قرآنی حجج ناطقہ کی زبانی یعنی چہاردہ معصومین کے اقوال فضائل قرآن میں اور انکا اعتقاد جو شیعی عقیدہ ہے۔ فضیلت کتابت و حفظ و قرأت قرآن۔ تعلیم و تعلم قرآن جامعیت مطالب قرآن۔ جمع و ترتیب تالیف اور تغییر و تبدیل کتاب اللہ کی کہانی قائلین و معتقدین حسبنا کتاب اللہ کی زبانی (اہل سنت میں روایات تحریف و تغییر و تبدیل قرآن کی مکمل بحث۔ محققین علمائے شیعہ اور اعتقاد بالقرآن۔ حل روایات اور ہمارے جوابات۔ نقل روایات دلیل اعتقاد و ایمان نہیں۔ تحریف کا امکان فرقہ شیعہ میں ممکن نہیں۔ وجود قرآن اور حفاظت قرآنی۔ قرآن پر دراصل کس کا ایمان ہے؟ اصحاب رسول کون کون تھے۔ دراصل قرآن کس نے جمع کیا اہل سنت میں اجماع۔ سنت اور قیاس سب ناسخ کتاب اللہ ہیں۔ کتاب اللہ کا وجود کہاں مسلّم رہا۔ ان کے یہاں کتاب اللہ سے ان کی کتب افضل اصل ہیں۔ تغیر تبدیل دین و شریعت و سنت رسول اور تبدیل احکام قرآنی کے متعلق علی کا بصیرت افروز بیان حق ترجمان۔ ان مباحث پر مصحف ناطق حصہ سوم مرتب ہوا۔ اور حسب قاعدہ سابقہ اس کو بھی ذکر قرآن ناطق و شہید ناطق پر ختم کرنا لازم قرار پا گیا تھا۔ اس کے آخر میں حسبنا کتاب اللہ کے قائلین کے ہاتھوں کتاب اللہ کی توہین۔ قرآن ناطق کی فریاد اور خاتمہ پر مناصحت و مصالحت۔ یہ حصہ ۱۳۹ء میں شائع ہو سکا اور اپنے دو بڑے بھائیوں سے قدمیں بڑھ گیا۔ اسکو دیکھکر ہر ایک ناظر نے اس کے بھائیوں کا مطالبہ کیا جن سے دفتر پہلے ہی خالی ہو چکا تھا لہذا دوسرا ایڈیشن تیار ہوا اور حصہ اول کے طبع ثانی کی نوبت آئی مگر سخت افسوس ہے کہ فرصت نے مجال نہ دی کہ اس کو اور مکمل کر سکیں اور نقش ثانی نقش اول سے ہر طرح بہتر ہو۔ تاہم جو ہو سکا ہے وہ لکھا گیا اور جو لکھا گیا وہ حاضر اور اہل نظر سے انصاف کی امید اور دعا کی طمع۔

الاحقر المسیئ

محمد سبطین السرسوی

14 3/40

مقدمہ

فضائل کتاب اللہ کا بیان اس دور دہریت میں از بس ضروری ہے کہ کتاب اللہ کی عظمت اب خود مسلمانوں کے دلوں سے اٹھتی جا رہی ہے اور عظمت قرآن گئی تو رفتہ رفتہ ایمان بھی رخصت۔ اور یہ بھی مشاہدہ ہو رہا ہے اور اس کی روک تھام کیلئے اسلامی کارناموں کو زندہ کرنا اور کتاب اللہ کے فضائل و مناقب و معارف و علوم سے مسلمانوں کو خبردار کرنا کہ پھر عظمت جلال الٰہی کے ساتھ عظمت قرآنی ان قلوب میں جاگزین ہو۔ اسی لئے ہم ان تمام حصص مصحف ناطق میں اس مقصد کو مقدم رکھتے رہے ہیں۔ اور یہ حصہ بھی اس سے خالی نہیں یہ امر اس اڈیشن میں لازم ہے جس سے بعض فضائل کی تجدید و تاسیس ہو گی۔ اور بعض کی تائید اور تاکیداً اور یہ ذکر جتنا بھی کیا جائے کم ہے اور رسالہ البرہان اس فریضہ کو ہمیشہ انجام دیتا رہا ہے اور دیتا ہے اور آئندہ انشاء اللہ اس سے زیادہ حق ادا کریگا۔ وما توفیقنا الا باللہ ؏

ہر کہ از شکرِ حق فزوں گوید
شکرِ توفیقِ شکر چوں گوید

خصائص و اوصاف و احکام قرأت قرآنی

(۱) قرآن مجید کل کتب سماویہ اور جملہ انبیاء و اوصیاء کے کلام سے افضل ہے۔ اور گو یہ ہمارے نبی اور ان کے اوصیاء معصومین سے افضل نہیں ہے۔ مگر ان حضرات پر بھی قرآن کی تعظیم و توقیر واجب ہے اس لئے کہ مملوک اگرچہ بادشاہ سے انتہائے قرب رکھتا ہو لیکن اس پر ان چیزوں کی تعظیم واجب و لازم ہے۔ جو بادشاہ کی طرف منسوب ہوں۔ جیسے بادشاہ کا کلام بادشاہ کی اولاد۔ بادشاہ کا محل و لباس وغیرہ چونکہ یہ چیزیں بادشاہ کی جانب منسوب ہیں اس سبب سے ہر شخص پر اس کا احترام لازم ہے اسلئے کہ ان چیزوں کا احترام کرنا گویا بادشاہ کا احترام کرنا ہے پس ان حضرات کا بیت اللہ اور حجر اسود اور قرآن مجید وغیرہ کا احترام کرنا اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ یہ چیزیں ان حضرات سے افضل ہیں بلکہ اس لئے احترام

واجب ہے کہ یہ چیزیں خدا کی طرف منسوب ہیں اور اس کی کہلاتی ہیں اور ان کے محبوب کی محبوب ہیں۔ وَحَبِیبُ الْحَبِیبِ حَبِیبٌ۔

(۲) تلاوتِ قرآن تلاوت دعا و اذکار و احادیث قدسیہ وغیرہ سے بہتر ہے۔ اگرچہ دعا کے متعلق اس کا عکس بھی وارد ہوا ہے۔ درانحالیکہ دعا بغیر حاجت فی نفسہ فہم معانی کیلئے سنت ہے۔ البتہ دعا میں بھی فہم قرائیت معتبر ہے جس طرح ذکر و دعا میں فہم ذکریت و دعائیت معتبر ہے۔ اور بسا اوقات محض علم ہی کافی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی ان چیزوں سے ہے جس سے تقرب حاصل ہوتا ہے۔

(۳) اس قرآن میں کوئی زیادتی نہیں ہے۔ جو کچھ ہے سب کلام اللہ ہے۔ ایک سورہ ایک آیہ بلکہ ایک حرف بھی زیادہ نہیں ہے۔ ما بین الدفتین جو کچھ ہے کل کا کل کلام اللہ ہے۔ اور یہ ضرورت دین و مذہب اور اجماع مسلمین اور احادیث نبی و اوصیاء نبی سے ثابت ہے اور جو بعض چیزیں اس کے خلاف وارد ہیں وہ قابل اعتبار نہیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ حفاظت باری کے سبب سے ہر طرح کے نقصان سے محفوظ ہے جیسا کہ نص قرآن اور اجماع علماء اس پر دال ہے پس بعض اقوال نادرہ جو اس کے نقصان کے متعلق وارد ہوئے ہیں بہ بداہتہ باطل ہیں اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو تواتر نقل کے سبب سے اور غیر اہل اسلام اس کو لیکر اسلام اور اہل اسلام پر طعن کرتے۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے درانحالیکہ اس زمانہ کے مسلمان اس کے حروف و آیات کے ضبط میں پورے انہماک سے کام کرتے تھے خصوصاً اس کے متعلق جو وارد ہوا ہے کہ بعض سورتوں میں بہت سے منافقین کے نام تھے جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے باوجودیکہ نبی کے حکم میں یہ بھی تھا کہ منافقین سے پردہ پوشی کریں اور ان کے ساتھ اہل دین کا سا برتاؤ کریں۔ اس کے علاوہ رسول اُن سے خائف بھی تھے اسی سبب سے آپ نے نصب امیر المومنین میں عدم تعرض کا قصد فرمایا۔ یہاں تک کہ خدا کی طرف سے سخت حکم نازل ہوا لہذا تحریف کے متعلق کوئی روایت بھی در اصل ہمارے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہے۔

(۴) مستحب ہے کہ قرآن مجید گھر میں ہو۔ اور یہ کہ معلق ہو اس لئے کہ اس کے سبب سے شیاطین بھاگتے ہیں لیکن اس قرآن کی ترک قرأت مکروہ ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن تین چیزیں خدا سے شکایت کرینگی۔ وہ ویران مسجد جس میں اس کے پاس کے لوگ نماز نہ پڑھیں۔ دوسرے وہ عالم جو جاہلوں کے درمیان ہو اور کوئی اس سے علم حاصل نہ کرے تیسرے وہ قرآن جو گھر میں رکھا ہو اور کوئی اُسے نہ پڑھے تلاوت نہ کرے۔

قرآن مجید کا اکرام واجب ہے۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ جب قیامت آئیگی اُسوقت خدا وند عالم قرآن سے کہیگا قسم ہے میری عزت جلال وارتفاع مکان کی آج میں ان لوگوں کا اکرام کرونگا جس نے تیرا اکرام کیا ہے۔ اور ان لوگوں کو رسوا کرونگا جس نے تیری اہانت کی ہے۔

(۵) **اکرام اہل قرآن لازم ہے۔** اور ان کی اہانت ممنوع۔ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ سے مروی ہے کہ علمار قرآن کا درجہ کل آدمیوں سے جنت میں اعلیٰ ہوگا سوائے انبیا و مرسلین کے پس علمار قرآن کے حقوق کو انکو کمزور سمجھ کر غصب نہ کرو کیونکہ ان کیلئے خداوند عالم کی طرف سے مقام خاص ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ شریف ترین میری امت میں حاملین قرآن علما و حفاظ ہیں دنیا میں اور یوم قیامت عرفا اہل جنت ہیں۔ دوسری روایت میں آنحضرت سے مروی ہے کہ حاملین قرآن رحمت خدا کے ساتھ مخصوص ہیں۔ نور خدا ان کا لباس ہے۔ کلام الٰہی کو پڑھنے والے ہیں۔ عند اللہ مقرب ہیں۔ انکا دوست خدا کا دوست ہے اور ان کا دشمن خدا کا دشمن ہے +

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حافظ قرآن اور عامل بالقرآن سفرۃ الکرام البررہ کے ساتھ ہوگا۔ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جو معالج بالقرآن ہو اور مشقت کے ساتھ اس کا محافظ اس وقت ہو جب کوئی محافظ نہ ہو تو اس کیلئے دوہرا اجر ہے +

(۶) جب کفار کے ملک میں جائے تو قرآن ساتھ نہ لیجائے کیونکہ آنحضرت نے نہی فرمائی ہے کہ دشمن کے ملک میں قرآن لیکر نہ جاؤ۔ اس حدیث میں عدو سے مراد کفار ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت کیلئے ہے کہ جب اسکی اہانت کا خوف ہو +

(۷) **وقت قرأت قرآن باوضو ہونا چاہیئے** کیونکہ حضرت ابی الحسن علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن کو بغیر وضو نہ پڑھا کرو۔ حضرت علی علیہ السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ قاری مطہر کیلئے پچیس نیکیاں اور غیر مطہر کیلئے دس نیکیاں ہیں +

(۸) **قرآن کو خضوع و خشوع کے ساتھ پڑھنا چاہیئے۔** روایت کی گئی ہے کہ رسالتمآب نے بلند آواز سے ارشاد فرمایا اے حاملین قرآن قرآن سے خضوع اختیار کرو تاکہ خدا تمہارے مرتبہ کو بلند کرے لوگوں کی نظروں میں وقار قائم کرنیکے لئے حامل نہ ہو۔ اگر ایسا کروگے تو خدا تمکو ذلیل کریگا۔ اے حاملین قرآن قربتہ الی اللہ قرآن کو مزین کرو۔ خدا تمکو زینت دیگا۔ لوگوں کو دکھلانیکے لئے قرآن مزین نہ کرو۔

ورنہ خدا تمکو رسوا کریگا۔ جو شخص قرآن مجید کو ختم کرے پس گویا کہ نبوت اس کے دونو پہلوؤں کے مدرج ہو گئی لیکن اسکی طرف وحی نہیں ہوتی۔

(۹) سامع اور قاری کیلئے مستحب ہے رقت و خوف غشی وغیرہ کا اظہار نہ کرے

جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اگر انکے دست و پا قطع کر لیے جائیں تو بھی ان کو ادراک نہ ہو۔ حضرت نے فرمایا میرا خدا پاک و پاکیزہ ہے۔ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ یہ غشی ریاکاری کی غشی ہوتی ہے۔ اصلیت سے تعلق نہیں +

قرآن کے حروف کا لکھنا اور اس کو دھو کر پینا موجب شفا ہے۔ روایت سے ثابت ہے جیسا کہ مروی ہے کہ اگر کسی کے بطن میں زرد پانی (صفرا) ہو تو اس کو چاہیے کہ آیۃ الکرسی کو اپنے بطن پر لکھے اور اس کو دھو کر پیئے شافیٔ مطلق شفا عطا فرمائیگا۔ لیکن ممنوع ہے کہ اسکو لعاب دہن سے لکھے اور مٹائے +

(۱۰) قرآن مجید کی تلاوت دیکھکر مستحب ہے۔ جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اسکی نظر کو فیض پہنچتا ہے اور اس کے والدین کے گناہوں میں تخفیف ہوتی ہے اگرچہ دونوں کافر ہوں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی شے شدید ترین شیطان پر قرآن کو دیکھکر پڑھنے سے +

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ زیادتی تلاوت کے سبب سے قرآن مجید حفظ ہو گیا ہے۔ اب میرا زبانی تلاوت کرنا افضل ہے یا دیکھکر۔ حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ دیکھکر پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ اس پر نظر کرنا بھی عبادت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ بغیر تلاوت بھی قرآن پر نظر کرنا عبادت ہے +

(۱۱) قرآن پڑھتے وقت اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ کہنا سنت ہے۔ چاہے ایک سورہ ہو یا مطلق قرأت مطلق تعوذ بھی کافی ہے۔ امام حسن عسکری علیہ السلام ایک شخص سے فرماتے ہیں وہ چیز جس کے ساتھ تم کو وقت تلاوت قرآن خدا نے حکم دیا ہے وہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ہے +

(۱۲) ترک قرأت قرآن مکروہ ہے جبتک کہ اس عمر کو نہ پہنچ جائے جس میں نسیان طاری ہوتا ہے۔ روایت میں ہے کہ قاری جن آیتوں یا سوروں یا حرفوں کو بھولگیا ہے

وہ یوم قیامت اچھی صورت میں ناسی کے پاس آئینگی۔ پھر بھولنے والے سے خطاب کرکے اس کے نسیان اور حرمان ثواب کی ملامت کرینگی +

(۱۳) **ترتیل قرأت ضروری ہے۔** امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن مجید کو اس طرح پڑھو کہ اس کے ہر ہر حرف میں تمیز ہو جائے اس کو اشعار کی طرح جلد جلدی نہ پڑھو اور نہ مثل ریت کے بکھیر بکھیر کے پڑھو اور نہ اس طرح پڑھو کہ اسکو شروع کرنے کے ساتھ فوراً ختم کرنے کی کوشش کرو (یعنی ادھر سورہ حمد شروع کیا ادھر فوراً وَلَا الضَّالِّیْن پر پہنچے)

(۱۴) **ماموین پر قرآن کو آہستہ پڑھنا واجب ہے** جبکہ آواز امام کی سنے ایساہی حکم اخبار ائمہ میں ہے۔ اور اسکے معانی میں غور کرنا مستحب ہے اور اسکے امثال میں اور وعدہ وعید کی آیتوں میں جہاں جنت کا ذکر آئے وہاں خدا سے جنت کا سوال کرے۔ اور جہاں جہنم کا ذکر آئے وہاں اس سے پناہ مانگے۔

ابن عباس سے روایت کیگئی ہے کہ ابوبکر نے ایکروز رسالتمآب سے پوچھا یا حضرت آپ بہت جلد ضعیف ہو گئے ہیں حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھکو سورہ ہود سورہ واقعہ اور سورہ مرسلات و عم یتساءلون نے ضعیف کر دیا ہے۔ دوسری روایت میں ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت نے جواب دیا کہ میں اپنے ضعیف ہونے پر تعجب کرونگا جبکہ میں قرآن مجید پڑھتا ہوں۔

نیز روایت میں ہے کہ سات مقام پر قرآن مجید پڑھنا سزاوار نہیں ہے بحالت رکوع و سجود میں کنیف بیت الخلا میں اور حمام میں اور جنب و حائض و نفسا پر۔

(۱۵) **مستحب ہے کہ تلاوت کا ثواب** رسالتمآب اور ائمہ معصومین اور مومنین کی روح پر فتوح کو ہدیہ کرے تاکہ ان لوگوں کے ساتھ جنت میں ہو۔

(۱۶) **تلاوت قرآن سنت موکدہ ہے۔** رسالتمآب حضرت امیر المومنین کو وصیت فرماتے ہیں۔ تمپر ہر حال میں تلاوت قرآن لازم ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید نماز کی حالت میں تلاوت کرے خداوند عالم اس کے ہر حرف کے عوض سو حسنہ قاری کے حق میں لکھتا ہے دوسری روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ سو سیئہ اسکے محو کرتا ہے اور سو درجہ بلند کرتا ہے جو قرآن مجید حالت جلوس میں پڑھے خلاق عالم ہر حرف کے عوض پچاس حسنہ لکھتا ہے جو غیر نماز میں پڑھے تو اسکے ہر حرف کے عوض میں دس حسنہ لکھتا ہے۔

(۱۷) **قرآن مجید کا سننا مستحب ہے۔** امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص تلاوت کو سنے خدا اس سننے والے کے لئے ایک حسنہ لکھتا ہے اور ایک سیئہ محو کرتا ہے۔

(۱۸) کثرت تلاوت سنت ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے۔ درجات جنت بقدر آیات قرآن ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا الحال المرتحل لوگوں نے پوچھا کہ حال المرتحل سے کیا مراد ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب قرآن مجید پڑھنے کیلئے کھولے تو اس کو ختم کرے۔ حضرت رسول خدا سے پوچھا گیا کہ کون لوگ بہتر ہیں آپ نے فرمایا الحال المرتحل پوچھا گیا کہ الحال المرتحل کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا کہ جب قرآن مجید کھولے تو اسکو ختم کئے بغیر نہ رہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ شیعہ علی نجات پانے والے اور پل صراط سے گزرجانے والے ہیں آخر میں فرمایا اس کا سبب ان کی زیادتی صلوٰۃ و زیادتی تلاوت قرآن ہے۔

(۱۹) اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم دینا مستحب ہے۔ روایت میں ہے کہ خلاق عالم اہل زمین سے عذاب کو نہیں دفع کرتا جبکہ وہ عذاب کے مستحق ہو چکے ہوں۔ مگر جب تک کہ ان میں کا کوئی ایک موجود ہو زمانہ پیری میں نماز کی طرف اقدام کرنے والا اپنی اولاد کو قرآن مجید تعلیم دینے والا۔

(۲۰) روایت میں ہے کہ جو شخص دائرہ اسلام میں جبریہ داخل ہو۔ اور ظاہراً قرآن کی تلاوت کرتا ہو تو اس کیلئے ہر سال دو سو دینار ہیں۔ بیت المال سے پس اگر کوئی اس شخص کو دینا ہیں لینے سے مانع ہو تو وہ ان دیناروں کو قیامت میں لیگا۔

(۲۱) بعض سورتوں کا زیادہ پڑھنا سنت ہے منجملہ اس کے سورہ حمد ہے۔ روایت میں کہ اگر کسی میت پر ستر مرتبہ سورہ حمد پڑھی جائے اور اس میں روح عود کر آئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور جس شخص کا مرض سورہ فاتحہ سے نہ جائے وہ کسی دوسری چیز سے بھی نہیں جاسکتا۔ جو شخص سورہ حمد اور سورہ قل ھو اللہ نہ پڑھے کوئی شے اس کو بری نہیں کرسکتی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی آشوب چشم یا دردسر کی شکایت ہوتی تھی تو حضرت اپنے دونوں دست مبارک کو پھیلا کر سورہ حمد اور معوذتین کی تلاوت فرماتے تھے اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو روئے مبارک پر پھیرتے تھے پس مرض دفع ہو جاتا تھا۔ رسالتماب فرماتے ہیں جو کوئی مریض ہو اس کو چاہیئے کہ اپنے گریبان میں منہ ڈالکر سات مرتبہ سورہ حمد پڑھے اگر مرض دفع ہو جائے تو خیر ورنہ ستر پڑھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں اس کے ازالہ مرض کا ضامن

ہوں۔ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جابر سے ارشاد فرماتے ہیں بہترین سورہ قرآن مجید سورۂ فاتحہ ہے

یہ سورہ ہر مرض کی دوا ہے سوائے موت کے جو کچھ عرش میں ہے ان سب سے یہ سورہ اشرف ہے +

(۲۲) **سورۂ اخلاص کا زیادہ پڑھنا مستحب ہے** ۔ امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے

ہیں کہ جو شخص سورہ اخلاص ایک مرتبہ پڑھے خداوند عالم اس پر برکت نازل کرتا ہے۔ دو مرتبہ پڑھے

اس پر اور اس کے اہل پر برکت نازل کرتا ہے۔ اگر تین مرتبہ پڑھے تو اس پر اور اس کے اہل اور

جیران پر نزول برکت ہوتا ہے۔ اور جو شخص بارہ مرتبہ پڑھے اس کیلئے بارہ قصر جنت میں تعمیر ہوتے

ہیں۔ اور اگر سو مرتبہ پڑھے تو اس کے پچیس سال کے گناہ بخشدئے جاتے ہیں۔ سوائے خونریزی اور

نہب اموال کے۔ اور اگر چار سو مرتبہ پڑھے تو قاری کو اُن چار سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے جن کے

گھوڑے پے گئے ہوں اور ان لوگوں کا خون بہایا گیا ہو۔ اگر ہزار مرتبہ پڑھے تو اس وقت تک

نہ مرے گا جب تک جنت میں اپنی قیامگاہ کو نہ دیکھ لے +

روایت میں ہے سعد بن معاذ کے جنازہ پر ستّر فرشتوں نے نماز پڑھی تھی اس لئے کہ سعد

ہر وقت سورۂ اخلاص کی تلاوت کیا کرتے تھے +

روایت میں ہے کہ سورۂ اخلاص کا ایک مرتبہ پڑھنا گویا ثلث قرآن کا پڑھنا ہے دو

مرتبہ پڑھنا دو ثلث کا پڑھنا ہے اور تین مرتبہ کا پڑھنا کل قرآن کا پڑھنا ہے۔ سورہ اخلاص ثلث توریت

ثلث انجیل اور ثلث زبور ہے +

امام علیہ السلام مفضل سے ارشاد فرماتے ہیں قرأت توحید کو کل لوگوں سے پوشیدہ رکھو اور

اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے ہر سمت سے اسکی حفاظت کرو اور جب کبھی تم سلطان جابر

کے پاس جاؤ تو اس کے سامنے تین مرتبہ اس سورہ کو پڑھو اور اپنے بائیں ہاتھ کی مٹھی بند کر لو جب تک

کہ تم اس کے پاس سے روانہ نہ ہو اس وقت تک مٹھی نہ کھولو +

امام علیہ السلام فرماتے ہیں جس کے اوپر ایک جمعہ گزر جائے اور وہ سورہ قل ھو اللہ

نہ پڑھے اسی اثنا میں مر جائے تو اس کی موت ابولہب کی موت ہوگی۔ امام باقر علیہ السلام

فرماتے ہیں جس شخص کو کوئی مرض یا تکلیف ہو اور وہ اپنے مرض یا تکلیف میں سورہ توحید نہ

پڑھے تو وہ اہل جہنم سے ہے۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کے اوپر تین روز گزر جائیں اور

وہ سورہ توحید کو نہ پڑھے پس وہ مخذول ہے اور ریسمان ایمان اسکی گردن سے اتار لیجائیگی۔

یہ اخبار ان لوگوں کے متعلق ہے جو سورۂ توحید کو خفیف سمجھیں اور اس کے ثواب کے

متعلق جو اقوال معصومینؑ ہیں اس کی تصدیق نہ کرتے ہوئے اس سورہ کی تلاوت ترک کر دیں +

(۲۳) سورہ انعام کا ورد سنت ہے - امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جب یہ پوری سورت نازل ہوئی تھی تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے یہانتک کہ اس کا نزول صدر رسول پر ہوا اس وقت ان کل ملائکہ نے اس سورہ کی تعظیم کی کیونکہ اس سورہ میں ستر مقام پر اسم خدا ہے اگر لوگ اس کی تلاوت کے ثواب کو جانتے تو اس کو ترک نہ کرتے +

(۲۴) سورۃ الملک کا ورد کرنا سنت ہے - روایت میں ہے کہ جو شخص قبل سونے کے اس کو تلاوت کرے تو وہ شخص صبح تک امان خدا میں ہے اور جو شخص اس کی تلاوت برابر کرے تو وہ منکر ونکیر کے خوف سے مامون رہیگا +

(۲۵) سورہ توحید کا وقت خواب سو مرتبہ پڑھنا سنت ہے تاکہ اس کے پچاس سال کے گناہ گذشتہ بخش دیے جائیں +

(۲۶) وقت خواب آخر آیہ سورہ کہف قل انما انا بشر مثلکم الی آخرہ پڑھے تاکہ اس کیلئے نور مسجد الحرام تک ساطع ہو - دوسری روایت میں الی بیت اللہ الحرام ہے +

(۲۷) وقت خواب مسبحات کی تلاوت کرے - تاکہ قبل الموت امام زمان کی زیارت نصیب ہو +

(۲۸) سورہ یٰس کا ورد سنت ہے - امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہر شے کے لئے قلب ہے اور قرآن مجید کا قلب سورہ یٰس ہے جو شخص کہ سونے سے پہلے اس سورہ کو پڑھے ستر ہزار ملک اس کی حفاظت کرتے ہیں - ہر قسم کی آفتوں اور شیطان الرجیم سے - اگر قاری اسی روز مر جائے تو سیدھا جنت میں جائیگا +

جابر امام محمد باقر علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص سورہ یٰس اپنی عمر میں ایک مرتبہ پڑھے - اس کے ہر حرف کے عوض دنیا میں اور ہر حرف کے عوض آخرت میں حسنہ لکھے جاتے ہیں اور آسمان میں ہر حرف کے عوض ہزار ہزار حسنہ لکھے جاتے ہیں اور اتنے ہی سیئہ محو کئے جاتے ہیں اور قاری کو فقر و محتاجی لاحق نہیں ہوتی اور نہ وہ دب کر مرتا ہے - نہ اس کو مرض جنون و جذام وسواس شیطانی و دیگر امراض ضرر پہنچا سکتے ہیں سکرات موت اور اس کے ہول سے نجات پاتا ہے خدا اس کی قبض روح کا والی ہوتا ہے اور قاری کی معیشت کی وسعت اور لقاء اللہ کا ضامن خدا ہوتا ہے اور خدا جملہ ملائکہ سموات و ارضین سے کہتا ہے میں فلاں سے راضی ہوا پس

تم لوگ اس کیلئے استغفار کرو۔

(۲۹) **مستحب ہے ختم کرنا قرآن کا مہینہ میں ایک دفعہ یا ہفتہ میں ایک دفعہ** یا عشرہ میں ایک مرتبہ یا ہر رات میں ایک مرتبہ لیکن تلاوت میں ترتیل اور تفکر فی المعانی ضروری ہے جہاں جنت کا ذکر آئے وہاں خدا سے طلب جنت کا سوال کرے۔ جہاں جہنم کا ذکر آئے وہاں پناہ مانگے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں جو شخص قرآن مجید کو ایک ماہ سے کم میں ختم کرتا ہے۔ اس سے مجھکو تعجب نہیں ہوتا کیونکہ اصحاب نبیؐ ایک ماہ یا اس سے کم میں ختم کرتے تھے۔

(۳۰) **قرآن کا گھر میں پڑھنا سنت ہے**۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے وہ گھر جس میں مسلمان رہتے ہوں اور تلاوت قرآن کرتے ہوں وہ گھر اہل آسمان کو ایسا ہی نظر آتا ہے جیساکہ اہل زمین کو کوکب دری نظر آتا ہے۔ اس گھر میں برکت نازل ہوتی ہے اور ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ تلاوت قرآن سے اپنے گھروں کو منور کرو۔ اور قرآن کیلئے گھروں کو قبر نہ قرار دو جیساکہ یہود ونصاریٰ نے کیا۔ اور تم لوگ مثل یہود کے نہ ہو جنہوں نے تلاوت توراۃ کیلئے گھروں کو بند کر دیا ہے۔ اور گرجوں کو مخصوص کیا ہے۔

(۳۱) **ہر شب میں تلاوت مستحب ہے**۔ امام محمد باقر علیہ السلام جناب رسول خدا سے روایت کرتے ہیں۔ جو شخص ایک شب میں دس آیتوں کی تلاوت کرے اس کا غافلین میں شمار نہیں ہوتا۔ جو شخص پچاس آیتوں کی تلاوت کرے اس کا شمار ذاکرین میں ہوتا ہے۔ جو شخص سو آیت پڑھے اس کا شمار قانتین میں ہوتا ہے۔ جو شخص دو سو آیہ پڑھے وہ خاشعین میں شمار کیا جاتا ہے۔ جو شخص تین سو آیت پڑھے وہ فائزین میں سے ہے۔ جو شخص ہر شب پانچ سو آیتوں کی تلاوت کرے وہ مجتہدین میں شمار کیا جاتا ہے۔

(۳۲) **تلاوت قرآن ماہ رمضان میں سنت ہے**۔ کیونکہ ہر شے کیلئے زمانہ ربیع ہے اور قرآن کیلئے زمانہ ربیع ماہ رمضان ہے۔

ہر روز کم از کم پچاس آیتیں پڑھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں قرآن خدا کی طرف سے اس کے بندوں پر عہد ہے۔ پس مرد مسلم کو لازم ہے کہ اپنے عہد پر نظر کرے اور روزانہ پچاس

آیتیں پڑھے +

امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ جو شخص قرآن کو مکہ میں ایک جمعہ سے لیکر دوسرے جمعہ تک ختم کرے یا اس سے کم یا زیادہ روز صرف ہوں لیکن روز ختم روز جمعہ ہو تو خدا اس کیلئے لکھتا ہے اجر اور حسنات اول جمعہ سے جو دنیا میں ہوا آخر جمعہ تک جو دنیا میں ہوگا۔ اور اگر سائر ایام میں ختم کرے تو بھی یہی ثواب ہے

یہ تمام روایات شیعی روایات ہیں اور یہ کتاب کشف الغطا سے لی گئی ہیں بادنی تصرف و تغیر۔ تاکہ قارئین کو عظمت و حرمت قرآن پاک کا احساس پیدا ہو کر اس کی تلاوت حفظ اور تحصیل علم قرآن کا شوق پیدا ہو۔ اور غیروں کو معلوم ہو کہ محققین علماء شیعہ اور ان کے ائمہ معصومین جو اساطین دین و مذہب ہیں۔ قرآن پاک کی کیسی حرمت کرتے ہیں۔ اور اس کی نسبت کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور اس کے خلاف جو کچھ زبانِ مخالف سے کہا جاتا ہے وہ ان کی افترا پردازی ہے جو اپنی عیب پوشی کیلئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔

وَبَشِّرْ عِبَادِی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔

باب اوّل

تعظیم و تکریم کتاب اللہ الصامت و کتاب اللہ الناطق

عظمت کتاب اللہ

عنوان بالا اس قدر دقیق و بسیط ہے کہ اگر تمام عمر اس پر دفتر کے دفتر لکھے جائیں تو بھی اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ کتاب اللہ کی توصیف و تعریف اور اس عنوان کی تشریح کرنے کیلئے عمر نوحؑ بلکہ عمر خضرؑ کافی نہیں ہو سکتی۔ اگر تمام علماء و فصحاء و بلغاء اس کی توصیف بیان کریں تو اس کے حق سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ استغفر اللہ انسان کی ہستی ہی کیا ہے۔ اگر تمام مخلوق جن و انس و ارواح و ملائکہ عقول و نفوس ملکہ اس کتاب اللہ کے کلمات کی تشریح کریں تو بھی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتے۔ نہیں نہیں۔ یہہ جو کچھ کہا گیا یہ تو اسی کے کلمات ہیں۔ اسی کلام میں تو خدا فرماتا ہے لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا۔ اس آیت ہی کے عمق تک عقول انسانی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ پھر جملہ کلمات اللہ کی تشریح یا تفسیر کیونکر ممکن ہو سکتی اس لئے ہم یہاں جو کچھ لکھینگے وہ صحرا میں سے ذرہ اور سمندر میں سے ایک قطرہ کی مثال ہوگا۔

کلام دو قسم کا ہوتا ہے۔ کلام قولی۔ کلام فعلی۔ بیان قولی۔ بیان فعلی اور بنا بریں کتاب بھی اس حیثیت سے بلا شک و شبہ دو قسم پر منقسم ہے۔ ایک کتاب قولی اور ایک کتاب فعلی۔ کتاب فعلی جمیع مکونات و مخلوقات ہیں یعنی کل ماسوی اللہ کتاب اللہ ہے اور مخلوقات اس کے کلمات ہیں۔ یہ دو قسم پر منقسم ہیں بعض ناقص ہیں بعض کامل اور جو کامل ہیں ان میں سے بعض کا کمال کسی خاص زمانہ سے مختص ہے اور بعض کا کسی زمانہ سے مختص نہیں ہے بلکہ کل ازمنہ کو شامل ہے۔ الکلمۃ اسم و فعل و حرف اور ان کاملین میں سے بعض کامل تام ہیں اور بعض غیر تام ہے

بنزد آنکہ جانش در تجلی است — ہمہ عالم کتاب حق تعالی است

انہیں کلمات اللہ کی ایک نوع یا قسم نوع انسانی ہے اور یہ اس کتاب (عالم) کا ایک جزو ہی اور دیگر انواع و اقسام کلمات سے اس کو رابطہ حاصل ہے۔ بلکہ سب سے اقوی رابطہ ہی۔ کیونکہ یہ جملہ موجودات و مکونات سے افضل و اشرف ہے۔ یہ باقی کلمات (موجودات) پر تصرف رکھتا ہی۔ جمادات و نباتات اور دیگر حیوانات پر اسکو حکومت و تصرف حاصل ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا۔ اور اس کی شرافت و کرامت کیلئے صرف یہی آیت کافی ہے۔ بلکہ تمام چیزیں اسی کیلئے خلق کی گئی ہیں۔ اسی کی خاطر بنائی گئی ہیں۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا جو کچھ کہ زمین میں ہے وہ سب تمہارے ہی لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بلکہ جو کچھ آسمانوں میں ہے وہ بھی سب اسی انسان کیلئے ہے۔ "وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ" بلکہ خود زمین و آسمان اُسی کیلئے بنائے گئے ہیں اور اس سے ضروری ہے کہ انسان اپنر حکومت کرے اور تصرف رکھے اور ضرور یہ اس تصرف کی قدرت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے موجودات عالم کو کام میں لانے کیلئے ہمیشہ اس انسان نے ان کی تحقیق و تفتیش کی ہے اور بال کی کھال اُتاری ہے جب سے اس عالم میں انسان نے قدم رکھا ہے۔ اسی دھن میں لگا ہوا ہے۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے اور باوجودیکہ ہزارہا برس انسانی تحقیقات کو گذر چکے ہیں اور ہزاروں علوم و فنون ایجاد ہو چکے ہیں۔ لاکھوں مسائل معلومات انسانی میں داخل ہو چکے ہیں۔ پھر بھی کوئی منصف مزاج محقق آج نہیں کہہ سکتا ہے کہ جس موجود عالم کے متعلق جو کچھ تحقیق ہو چکا ہے وہ تحقیق کا آخری درجہ ہے۔ یہی اس کی حقیقت ہے اور اس کے بعد کوئی درجہ تحقیق باقی نہیں ہے اور آئندہ اس موجودات عالم کی تحقیق میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ چنانچہ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ ہر دور میں تحقیقات انسانی میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اور امکان اس کو مقتضی ہے کہ آئندہ بھی جب تک دنیا باقی ہے تحقیقات انسانی اسیطرح جاری رہیگی اور ان موجودات کی تحقیق کبھی ختم نہ ہوگی۔ اور ان کے حقائق آثار خواص کبھی انتہا پذیر نہ ہونگے۔ جس وقت یہ حالت ہو کہ انسان ہزاروں سال کی تحقیقات کے باوجود اور باوجودیکہ اسکو ان پر حکومت و تصرف حاصل ہے اور یہ اسی کیلئے پیدا کی گئی ہیں انکی حقیقت کو نہیں پہنچ سکا تو پھر اس انسان ضعیف البنیان کی کیا مجال ہے کہ خداوند عالم کی کتاب قولی کی حقیقت کو پہنچ سکے اور اس کے جملہ حقائق کا ادراک کر سکے۔ درانحالیکہ یہ عالم اس کتاب کی تفسیر فعلی ہے اور یہ کتاب قولی یعنی قرآن مجید اسی عالم کی صورت اجمالی ہے۔ مع شئے زائد کیونکہ یہ کتاب اللہ

(قرآن) صرف مخلوقات ہی کی حقیقت کو حاوی نہیں ہے۔ بلکہ خالق کی صفات کا بھی کاشف ہے اور انسانی علم مخلوقات کے احاطہ سے قاصر ہے۔ چہ جائیکہ وہ صفات خالق کا احاطہ کر سکے اور صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں اور کنہہ ذات باری تعالیٰ کا علم محال ہے۔ بنا بریں قرآن پاک کی حقیقت واقعیہ کا احاطہ ہماری عقول ناقصہ کیلئے کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ جو کلام اللہ ہے اور کل مخلوقات کے حقائق کے علم کو جامع اور کل صفات باریتعالیٰ کا کاشف و مبین ہو۔ اور اس بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کل ماسوی اللہ کا علم اس کتاب اللہ میں ہے تو یہ کل ماسوی اللہ کی ضروریات کو کافی ہو اور کل ما یحتاج عالم امکان اس میں موجود ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا۔

اس حقیقت کے لحاظ سے نہ صرف زبان انسانی بلکہ ہر موجود بلکہ ہر ذرہ کی زبان حال پکار رہی ہو کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ ہمیں صرف کتاب خدا کافی ہے۔ اس کے ہوتے اور کسی کتاب متقدم یا متاخر کی ضرورت نہیں +

الآیات

کتاب اللہ جمیع عوالم پر حجت خدا ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (فرقان) بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر حق و باطل میں تفریق و تمیز کرنے والی کتاب نازل کی ہے تاکہ وہ اس کتاب کے ساتھ جمیع ماسوی اللہ پر نذیر ہو اور سب پر اس سے حکومت و تصرف کرے +

کتاب اللہ تمام کتب پر محافظ اور سب کی مصدق ہے

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ اور ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق نازل کی ہے۔ جو تمام پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور تمام کتب پر محافظ اور ان کی نگران ہے۔ (بقرہ)

کتاب اللہ میں ہر چیز کی مثال موجود ہے

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا۔ (بنی اسرائیل) اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے واسطے ہر قسم کی مثالیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں۔ اور ہر زمانے میں انکا نمونہ دکھاتے رہتے ہیں۔ مگر پھر اکثر لوگ ناشکرے ہی رہے وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا۔ اور بیشک ہم نے اس لئے یہ تفصیلات اور امثال بیان کیں کہ یہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں مگر ان کی نفرت

ہی بڑھتی گئی +

کتاب اللہ ہر ایک اختلاف کے رفع کرنے کیلئے کافی ہے

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔ اور ہم نے تجھ پر اس کتاب کو بس اسلئے نازل کیا ہے کہ تو ان لوگوں سے وہ تمام باتیں بیان کردے جس میں وہ اختلاف رکھتے ہیں ۔ یعنی اس اختلاف کے مٹانیکے لیئے ہم نے تجھ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے اور یہ رفع اختلاف اہل ایمان کیلئے رحمت اور ہدایت ہے (سورہ نحل) یہ کلام خدائے وحدہ لاشریک ہے اور اسلئے اس میں اختلاف محال ہے ۔ اور اگر اس میں اختلاف ہو تو یہ کلام خدائے وحدہ لاشریک نہیں کہلا سکتا اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (نساء) کیا یہ لوگ قرآن پاک میں تدبر نہیں کرتے؟ اگر اس میں تدبر اور تامل کریں تو یقیناً انہیں معلوم ہو جائیگا کہ یہ کلام خدا اور اختلاف سے بری ہے اور اگر یہ کلام خدا نہ ہوتا کسی اور کا ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے +

کلام اللہ کی عظمت و جلالت سے ہر شے ڈرتی اور کانپتی ہے

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۔ (حشر) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اے ہمارے حبیب تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے جھکا اور پھٹا جاتا ہے (وہ لوگ یقیناً پتھر سے زیادہ سخت دل پہلو میں رکھتے ہیں جو ایسے عظیم الشان کلام سے بھی متاثر نہیں ہوتے اور ان کے دل اس سے نہیں پگھلتے) اور ہم یہ مثالیں لوگوں سے اسواسطے بیان کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ وہ غور و فکر کریں اور تامل و تدبر سے کام لیں اور اپنی قساوت قلبی کو دور کرنے کی کوششیں کریں اور قرآن کی عظمت کو محسوس کریں +

کتاب اللہ کے وسیلہ سے ہر اک شئے ممکن وجود میں آسکتی ہے

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا (رعد) اگر کوئی ایسا قرآن ہو کہ جس کے وسیلہ سے پہاڑ حرکت میں آسکتے ہیں جس سے طی الارض ہو سکتا ہے جس سے مردے زندہ کیے جاسکتے ہیں تو وہ یہی قرآن ہے ۔ بلکہ ہر ایک امر بااختیار خدا ہے اور خدا وہ قادر مطلق ذات ہے جو ایک لفظ

کُن سے ہزاروں عالم خلق کر سکتا ہے اور یہ کُن جو اس کا کلام ہے فی الحقیقت کوئی آواز یا حرف نہیں ہے۔ بلکہ عین ایجاد ہے۔ جہاں ارادہ ہوا فوراً شے وجود میں آگئی۔ پس جو عالم امکان میں ہے وہ اس کلام اللہ کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے اور خاصان خدا اسی سے عالم پر تصرف کرتے ہیں۔ اسی سے معجزات اور کرامتیں دکھلاتے ہیں۔ مردے زندہ کرتے ہیں۔ اور ایک چشم زدن میں شرق سے غرب بلکہ فرش سے عرش تک پہنچتے اور واپس ہوتے۔ عقول انسانی ان تصرفات پر حیران ہوتی تھیں اور منافق طبیعتیں اعتراض پیدا کرتی تھیں۔ بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ۔

کتاب اللہ میں ہر شے کا بیان موجود ہے

وَمَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ (انعام ع) ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی سب کچھ اس میں موجود ہے۔ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ (نحل ع ۱۲) اور ہم نے تجھ پر کتاب کو ہر شے کا بیان و تفصیل بنا کر نازل کیا ہے۔ اور وہ اہل اسلام و ایمان کیلئے ہدایت و رحمت اور نجات آخرت کی بشارت ہے نہیں بلکہ صلاح و فلاح دارین کی بشارت ہے اور دونوں عالم کی بہبودی کو شامل ہے۔

کتاب اللہ ہر مرض کی دوا اور ہر علت کی شفا ہے

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل ع) اور قرآن میں ہم وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنین کیلئے ہر مرض جسمانی نفسانی روحانی کی شفا اور دوا ہے اور ظالم و گنہگار کو اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ اس کیلئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (یونس) اے لوگو اے بنی نوع انسان! یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے وعظ و نصیحت ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں مرض جہل یا ضلالت یا نفاق ہے اور جو اختلافات کثیرہ اور خیالات فاسدہ ہیں ان سب کی شفا و دوا ہے اور اہل ایمان کیلئے رحمت و ہدایت دلوں کی کھوٹ اسی سے دور ہو سکتی ہے پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک کلام اللہ نہیں ہے؟

وَمَا کَانَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (یونس) یہ قرآن غیر اللہ کی افترا پردازی نہیں ہے کسی بشر کا خود ساختہ کلام نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو جملہ کتب سابقہ کی تصدیق اور خدائے رب العالمین کی کتاب لاریب فیہ کی تفصیل ہے۔ جو کتاب فطرت و کتاب وجودی ہی

اسی کی تفصیل اس قرآن میں موجود ہے۔ یہ طاقت بشری سے بالا ہے۔ بلکہ جمیع مخلوقات کی طاقت سے بالا ہے۔ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرائیل ع) اے ہمارے حبیب کہدو کہ سارے جن و انس ملکر یہ چاہیں کہ ایسا قرآن بنا لائیں تو ہرگز نہیں بنا سکتے اگرچہ سارے ایک دوسرے کی مدد کریں اور ایک دوسرے کی پشت و پناہ بنیں۔

کتاب اللہ نور مطلق اور ہدایت محضہ ہے

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (مائدہ ع ۳) بیشک تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک نور مطلق اور کتاب روشن آئی ہے۔ اس سے خدا ان لوگوں کو جو رضائے خدا پر راضی رہتے ہیں سلامتی کے راستے دکھلاتا ہے اور وہ نور لوگوں کو باذن اللہ ظلمات سے نکالکر عالم نور میں پہنچاتا ہے اور ان کو صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔ حاصل کتاب اللہ محمد مصطفیٰ نور ہے اور کتاب اللہ۔ کتاب مبین۔ روشن اور نورانی وَقَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک برہان حق و باطل آیا ہے اور ایک نور مبین ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے۔ وَكَفٰی بِهٖ فَخْرًا۔ اور عظمت و جلالت کتاب اللہ کے سمجھنے کیلئے اتنا ہی اشارہ کافی ہے باقی دوسرے حصص میں مطالعہ فرمائیں گے۔

الاحادیث والروایات

جناب رسول خدا سے بسلسلۂ آباء طاہرین جناب صادق آل محمد روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا:-

انکم فی زمان ھدانۃ وانتم علی ظھر سفر والسیر بکم سریع فقد رایتم اللیل والنھار والشمس والقمر یبلیان جدید ویقربان کل بعید ویاتیان بکل موعود فاعدوا الجھاز لبعد السفار فقام المقداد

یعنی ارشاد فرماتے ہیں کہ بنی نوع انسانی تم رنج و بلا اور آفت فنا کے گھر میں ہو اور پا در رکاب تیز چلے جا رہے ہو۔ کیونکہ تم دیکھتے ہو کہ لیل و نہار اور شمس و قمر ہر نئی چیز کو پرانا اور ہر بعید کو قریب کر رہے ہیں اور ہر ایک وعدہ کو لا رہے ہیں پس اس طولانی سفر کیلئے سامان سفر تیار کرو

فقال یا رسول اللہ ما دار الھدنہ قال
دار بلاء وانقطاع فقال دار فناء وبلاء
فاذا التبست علیکم الفتن کقطع اللیل
المظلم فعلیکم بالقرآن فانہ شافع
مشفع وماحل مصدق من جعلہ امامہ
قادہ الی الجنۃ ومن جعلہ خلفہ ساقہ
الی النار وھو الدلیل یدل علی خیر
سبیل وھو الکتاب فیہ تفصیل وبیان
وتحصیل وھو الفصل لیس بالھزل
وھو کتاب لہ ظھر وبطن وظاھرہ حکمۃ
وباطنہ علم ظاھرہ انیق وباطنہ
عمیق لہ تخوم وعلی تخومہ تخوم لا
یحصی عجائبہ ولا یبلی غرائبہ فیہ
مصابیح الھدی ومنار الحکمۃ ودلیل
علی المعروف لمن عرفہ۔

حضرت مقداد صحابی رسول کھڑے ہوئے اور عرض
کیا یا رسول اللہ صلعم، دار الھدنہ سے کیا مراد
ہے؟ فرمایا بلا اور فنا کا گھر۔ پس جس وقت تم پر
فتنے شب تاریک کے ٹکڑوں کی طرح چھا جائیں
اور حق باطل سے مشتبہ اور ملتبس ہونے لگے۔
اختلاف پھیل جائے جھوٹے دعویدار اٹھ کھڑے
ہوں۔ گمراہ ہادی بن بیٹھیں تو اسوقت تم کو لازم
ہے کہ قرآن کو مضبوط پکڑو اور اس کو ہادی بناؤ
کیونکہ یہ ایسا شفیع ہے جس کی سفارش بارگاہ ایزدی
میں مقبول ہے اور ایسا مخبر ہے جس کو سچا مانا گیا ہے
جو اس کو اپنا پیشوا بنائیگا۔ یہ اس کو جنت میں پہنچائیگا
اور جو اس کو پس پشت ڈال دیگا اس کو یہ جہنم میں
ڈالیگا اور یہی ایسا رہنما ہے جو بہترین راستے کی ہدایت
کرتا ہے اور یہ ایسی کتاب ہے جس میں تفصیل احکام
بیان حق و باطل و تحصیل علوم و فنون ہے۔ اور یہ کلام
فیصل ہے بے اصل شے نہیں ہے یہ وہ کتاب ہے جسکی ایک صورت ظاہری ہے ایک صورت باطنی۔ اسکی صورت
ظاہری عین حکمت ہے اور اسکی صورت باطنی علم ویقین۔ ظاہر اس کا انیق ہے اور باطن عمیق اور اس
کے پرت ہیں اور پھر پرت پر پرت باطن در باطن۔ اس کے عجائبات کا شمار نہیں ہو سکتا اور اس کے
غرائب آثار کبھی مٹ نہیں سکتے اور کبھی بوسیدہ نہیں ہو سکتے +

کلام اللہ الناطق علی ابن ابی طالب کی خدمت میں حارث اعور حاضر ہوئے اور عرض کیا
یا امیر المومنین ہم جب آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں تو آپ سے وہ باتیں سنتے ہیں جن سے ہمارا دین
مضبوط ہوتا ہے اور جب یہاں سے نکلکر باہر جاتے ہیں تو لوگوں سے ایسی مختلف و مشتبہ باتیں سنتے ہیں
کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں اور انکی اصل کیا ہے۔ فرمایا۔ کیا لوگ یہ حرکت کر گذرے؟ عرض کیا ہاں!
فرمایا میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جبرئیل امین آئے اور کہا۔ اے محمد عنقریب
تیری امت میں فتنہ بپا ہوگا۔ تیری آنکھ بند ہوتے ہی فساد کھڑا ہو جائیگا میں نے عرض کیا کہ پھر اس سے

خلاصی اور رہائی کیونکر ہو؟ فرمایا کتاب اللہ کو اختیار کرو اور اس کو مضبوط پکڑو کہ اس میں گذشتہ اور آئندہ کی خبریں ہیں اور تمہارے درمیان جو معاملہ پیش آئے اسکا حکم اس میں موجود ہے اور یہ کلام حق و باطل میں فاصل ہے اور ہزل اور بے اصل نہیں ہے جس جبار و سرکش نے اس کے سوا کسی اور کتاب پر عمل کیا تو اللہ اُس کی گردن توڑ دیگا اور جو شخص اس کے سوا کہیں اور سے ہدایت ڈھونڈھیگا خدا اسے گمراہ کریگا۔ یہی کتاب خدا کی مضبوط رسی اور اس تک پہنچنے کا سلسلہ ہے۔ یہی ذکر محکم اور صراط مستقیم ہے۔ اس کو لوگوں کی خواہشیں ٹیڑھا نہیں کرسکتیں ہیں اور ان کی زبانیں اسکو مشتبہ نہیں بناسکتیں ہیں۔ یہ کتاب بار بار پڑھنے سے پُرانی نہیں ہوتی۔ اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے اور علماء کے اس سے دل سیر نہیں ہوتے۔ یہی کتاب ہے کہ اس کو جب بنی الجان نے سنا تو انکو یہی کہتے بن پڑا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے جو راہ راست کی ہدایت کرتا ہے۔ جو اس کا قائل ہو وہ سچا مانا گیا اور جس نے اس پر عمل کیا مثاب و ماجور ہوا جس نے اس سے تمسک کیا صراط مستقیم پا گیا۔ هُوَ الْكِتَابُ الْعَزِيزُ الَّذِیْ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ مَجِيدٍ۔ یہی وہ عزت و حرمت والی کتاب ہے جس پر کسی طرف سے باطل آہی نہیں سکتا۔ آگے سے اور نہ پیچھے سے اور یہ خدائے حکیم مجید کی نازل کردہ کتاب ہے۔

نیز ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

اعلموا ان هذا القران هو الناصح الذی لا يغش و الهادی الذی لا يضل والمحدث الذی لا يكذب وما جالس هذا القران احد الا قام عنه بزيادة او نقصان زيادة فی هدی او نقصان من عمی واعلموا انه ليس علی احد بعد القران من فاقة ولا لاحد قبل القران من غنی فاستشفوه من ادوائكم واستعينوا به علی لاوائكم فان فيه شفاء من اكبر الداء وهو الكفر والنفاق والغی والضلال فاسئلوا الله

یاد رکھو کہ یہ قرآن وہ ناصح مشفق ہے جس کی نصیحت و خیر خواہی میں کھوٹ نہیں اور وہ ہادی ہے جو گمراہ نہیں ہوتا اور کبھی راہ نہیں بھولتا اور وہ محدث و مخبر ہے جو کبھی جھوٹ نہیں کہتا اور جو شخص قرآن کی صحبت میں بیٹھا اسکو پڑھا یا سُنا یا زیادتی ہدایت لیکر اٹھا یا کچھ ضلالت و جہالت کم کر کے اُٹھا۔ یقین رکھو کہ قرآن کے بعد کسی اور کتاب کی احتیاج نہیں اور نہ اس سے پہلے لوگ اس سے مستغنی تھے پس اس سے شفا چاہو اور صحت تلاش کرو۔ اور اسی سے اپنی مصیبت اور

به وتوجهوا اليه بحبه ولا تسألوا به خلقه انه ما توجه العباد الى الله بمثله واعلموا انه شافع مشفع وقائل مصدق وانه من شفع له القرآن يوم القيامة شفع فيه ومن محل به القرآن يوم القيامة صدق عليه فان يناد مناد يوم القيامة الا ان كل حارث مبتلى في حرثه وعاقبة عمله غير حرثة القرآن فكونوا من حرثته واتباعه واستدلوه على ربكم واستنصحوه على انفسكم واتهموا عليه آرائكم واستغشوا فيه اهوائكم العمل العمل ثم النهاية النهاية و الاستقامة والاستقامة ثم الصبر الصبر والورع والورع. ان لكم نهاية فانتهوا الى نهايتكم وان لكم علما فاهتدوا بعلمكم وان للاسلام غاية وانتهوا الى غايته واخرجوا الى الله ما افترض عليكم من حقه وبين لكم من وظائفه انا شهيد لكم وحجيج يوم القيامة عنكم

سختی پر اعانت طلب کرو کیونکہ اس میں سب بڑے مرض کی دوا و شفا ہے یعنی کفر و نفاق اور بے دینی و ضلالت کی پس اسی کے وسیلہ سے خدا سے سوال کرو اور اس کی محبت کے ساتھ خدا کی طرف توجہ کرو اور اس کے بابت خلق سے سوال نہ کرو اس سے بڑھکر اور کوئی چیز نہیں ہے جس کے ذریعہ سے لوگ خدا کی طرف متوجہ ہوں اور یقین رکھو کہ یہ ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت مقبول ہے اور یہ ایسا بولنے والا ہے جس کی بات تصدیق شدہ ہے اور بیشک جس کی قرآن شفاعت کرے تو روز قیامت اس کی شفاعت ضرور قبول کیجائے گی۔ اور جس کی قرآن شکایت کرے تو ضرور اس کے خلاف اس کی شہادت مقبول ہوگی۔

روز قیامت ایک منادی ندا دیگا کہ ہر ایک مزارع کو آخر میں خسارہ ہے اور اس کی بلا میں مبتلا ہوتا ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے علوم قرآن کا بیج دلوں میں بو یا ہے اور دار الاعمال میں اس کی کھیتی کی وہ کبھی خسارے میں نہ رہینگے پس تم زراعت کرنے والے اور اس کی پیروی کرنے والے ہو اور اسی سے اپنے رکاب کا راستہ ڈھونڈھو اور اسی سے اپنے لئے نصیحت چاہو اور اسی کی کسوٹی پر اپنی آرا کو پرکھو اور اسی سے ان کو متہم قرار دو اگر وہ اس کے خلاف ہوں اور اسی سے اپنی خواہشات کی کھوٹ دور کرو۔ الخ

نیز بعثت رسول (صلعم) کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ثم انزل عليه الكتاب نورا لا تطفأ مصابيحه وسراجا لا يخبو توقده وبحرا لا يدرك

پھر خدائے تعالیٰ نے وہ کتاب اتاری جو ایک نور ہے جسکی شمعیں کبھی گل نہ ہونگی اور ایسا چراغ ہے جسکی

قعرہ و منهاجاً لا یضل نهجه و شعاعاً لا یظلم
ضوءه و فرقاناً لا یخمد برهانه۔ وتبیاناً لا تهدم
ارکانه وشفاء لا تخشی اسقامه وعزاً
لا تهزم انصاره وحقاً لا تخذل اعوانه
فهو معدن الایمان و بحبوبته وینابیع العلم
وبحوره ورياض العدل وغدرانه واثا
فی الاسلام وبنیانه واودیة الحق و
غیطانه وبحر لا ینزفه المنتزفون و عیون
لا ینضبها الماتحون ومناهل لا یغیضها
الواردون ومنازل لا یضل نهجها المسافرون
واعلام لا یعمی عنها السائرون و اکام لا
یجوز عنها القاصدون جعله الله ریاً لعطش
العلماء وربیعاً لقلوب الفقهاء ومحاج
لطرق الصلحاء ودواء لیس بعده داء
ونوراً لیس معه ظلمة وحبلا وثیقاً عروته
ومعقلا منیعاً ذروته، وعزاً لمن تولاہ
وسلماً لمن دخله وهدی لمن ائتم به
وعذراً لمن انتحله وبرهاناً لمن تکلم
به وشاهداً لمن خاصم به وفلجا
لمن حاج به وحاملا لمن حمله ومطیة
لمن اعمله وایة لمن توسم وجنة لمن
استلام وعلماً لمن وعی وحدیثاً لمن
روی وحکماً لمن قضی۔

روشنی کبھی بجھتی نہیں اور ایسا سمندر ہے جس کی
تھاہ معلوم نہیں ہو سکتی اور جس کی تہ تک عقول
انسانی کی رسائی ممکن نہیں ہے اور ایسا صاف و
سیدھا راستہ ہے جس پر چلنے سے کوئی گمراہ نہیں
ہو سکتا اور ایسی شعاع نور ہے جس کی ضو کبھی تاریک
نہیں ہوتی اور ایسی کتاب فارق حق و باطل ہے جس کی
دلیل کبھی سرد نہیں ہوتی۔ اور ایک ایسی عمارت ہے
جس کے ارکان اور ستون کبھی منہدم نہ ہونگے اور یہ
کتاب ایسی شفائے کامل ہے جس کے ساتھ بیماریوں کا
خطرہ نہیں رہتا اور یہ ایسی عزت و غلبہ ہے جس کے
ناصر و مددگار کبھی شکست نہیں کھا سکتے ہمیشہ
غالب رہتے ہیں اور فتح پاتے ہیں۔ یہ ایسی برحق کتاب ہے
جس کے اعوان و انصار کبھی ذلیل و رسوا مغلوب و
مقہور نہیں ہوتے ہیں۔ پس یہی کتاب ایمان کی
کان و وسط و مرکز قصر اسلام ہے اور یہ علم و حکمت
کے چشمے اور اس کے بحر مواج ہیں اور یہ عدل کے
باغیچے اور تالاب ہیں اور یہی اسلام کی اساس و بنیاد
ہے۔ یہ حق کی وادی اور کھادریں ہیں جن سے
نشوونمائے حق ہوتی ہے۔ یہ ایسا سمندر ہے جس کے
پانی کو پانی لینے والے کم نہیں کر سکتے۔ یہ ایسے
چشمے ہیں جن سے پانی بھرنے والے انہیں خشک
نہیں کر سکتے۔ یہ ایسے منبع ہیں جن پر اترنیوالے
انہیں سکھا نہیں سکتے۔ یہ ایسی منزلیں ہیں جہاں اترنیوالے
مسافر راہ نہیں بھول سکتے اور یہ ایسے نشان ہیں جن کے سہارے چلنے والے بھٹک نہیں سکتے۔
اور ایسے ٹیلے ہیں جہاں چلنے والے بے راہ ہو کر ہلاک نہیں ہو سکتے۔ اسی کتاب کو خدا نے اہل علم و

طالبان حکمت کی سیرابی کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسی سے ان کی پیاس بجھتی ہے۔ فقیہوں کے قلوب صافیہ کے لئے فصل ربیع موسم بہار ہے کہ اس سے وہ قلوب تر و تازہ ہو جاتے ہیں۔ اور علم و فقہ کے پھول کھلاتے ہیں اور صالحین کیلئے جادۂ نجات یہی کتاب ہے۔ یہ کتاب ایسی دوا ہے۔ جس کے بعد کفر و شرک و نفاق کی بیماری لاحق ہی نہیں ہوتی اور ایسا نور ہے جس کے ساتھ ظلمت کا نام نہیں رہتا۔ اور کبھی تاریکی عارض ہی نہیں ہوتی۔ یہ خدا تک پہنچنے کی نہایت مضبوط رسی ہے۔ اور ایک قلعہ ہے جس کے کنگرے نہایت بلند ہیں جو اس کی محبت کرے اور اس سے ولا رکھے اس کیلئے عزت ہے اور جو اس کی سرحد میں داخل ہو جائے۔ اس کیلئے امن صلح ہے۔ جو اس کی پیروی کرے اس کیلئے ہدایت ہے جو اسکی طرف منسوب ہو جائے۔ اس کا ماننے والا کہلائے۔ اس کا عذر مقبول ہے اور اس کی حجت بالغہ ہے۔ جو اس کے ساتھ مخالف سے گفتگو کرے۔ اس کیلئے یہ دلیل قطعی و برہان یقینی ہے۔ جو اس کے ساتھ مخاصمہ کرے۔ اس کیلئے یہ شاہد بین ہے۔ جو اس کے ساتھ احتجاج و استدلال کرے اس کیلئے یہ فتح و ظفر ہے جو اس کا حامل ہو یہ کتاب اس کو اٹھانے اور سنبھالنے والی ہے جو اس پر عمل پیرا ہو۔ اس کیلئے منزل مقصود تک پہنچانیوالی سواری ہے۔ جو اس سے موسوم ہوا سکے لئے یہ حقانیت و صداقت کی نشانی ہے جو اسکو اپنی پناہ اور اپنی زرہ بنائے اسکے لئے یہ جائے پناہ اور محفوظ رکھنے والی سپر ہے۔ اور جو اس کو حفظ و ضبط رکھے اس کے لئے یہ ایک علمی خزانہ ہے۔ راوی علوم کیلئے یہ بہترین حدیث! ور فیصلہ کرنیوالے کیلئے حکم واضح ہے۔

جامعیت کتاب اللہ

انسان ارتقاء نشو و نمائے مادیہ کے چھٹے درجے پر ہے۔ اور انواع اربعہ مرکبات۔ جماد۔ نبات۔ حیوان۔ انسان میں چھٹے مرتبہ پر یعنی آخر درجہ مکونات میں ہے۔ اور چونکہ یہ مسلم ہے کہ ہر نوع اپنے ماتحت انواع کے جملہ کمالات کو حاوی اور جامع ہوتی ہے۔ اس لئے حقیقت انسان جملہ انواع عالم کے کمالات و اوصاف کو جامع ہے۔ جو کچھ ان میں ہے وہ سب کچھ اس میں موجود ہے مع اپنے مخصوص کمالات کے جو ماتحت انواع میں نہیں ہیں اس لئے جو کچھ اس میں ہے وہ کسی میں نہیں اور ہم کہہ چکے ہیں کہ کل عالم خدا کی کتاب وجودی ہے اور حکما کا مسلمہ ہے کہ الانسان عالم صغیر والعالم انسان کبیر انسان چھوٹی دنیا ہے اور دنیا بڑا انسان ہے جو تمام عالم میں بڑے پیمانہ پر موجود ہے وہ انسان میں چھوٹے نمونے پر۔ انسان میں جو کچھ اجمالاً موجود ہے عالم میں وہ تفصیلاً موجود ہے اور جو عالم میں تفصیلاً موجود ہے وہ انسان میں اجمالاً اور انسان نتیجۃ اللہ ہے اور حضرت سر اللہ فی العلمین ارشاد فرماتے ہیں:- أتزعم انك جرم صغير۔ وفيك انطوى العالم الاكبر دوائك منك ولا تبصرو - ودائك فيك ولا تشعر +

وانت الکتاب المبین الذی   باحرفہ یظہر المضمر

آخری شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت فرماتے ہیں کہ اے انسان تو خدا کی وہ روشن کتاب ہے۔ جس کے حروف و کلمات سے پوشیدہ بھید کھلتے ہیں۔ قدرت کے راز معلوم ہوتے ہیں خالق کے کمال جمال و جلال کا جلوہ نظر آتا ہے اور اسی وجہ سے حضرت امیر المومنین نے فرمایا ہے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ اور جو کچھ عالم حس میں ہے وہی عالم عقل میں اور جو کچھ عالم جسمانی میں ہے وہی عالم روحانی میں ہے اور ایک عالم دوسرے عالم کا نمونہ پس قرآن جو آخر کتب آسمانی ہے اور درجہ ترقی نبوات کے لحاظ سے چھٹے درجہ پر ہے۔ کیونکہ مبدء نبوت حضرت آدم ہیں تدوین قوانین شرائع حضرت نوح سے ہوئی اور ختم حضرت ختمی مرتبت پر۔ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسٰۤى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا۔ الآیہ۔ مرتبۂ نبوت آدم[۱]۔ مرتبہ نبوت نوح[۲]۔ مرتبہ نبوت ابراہیم[۳]۔ مرتبہ نبوت موسیٰ[۴]۔ مرتبہ نبوت عیسیٰ[۵]۔ مرتبہ نبوت ختمہ ارتقا[۶]۔ نبوت درجات ششگانہ نشو و نمائے حقیقت انسانیہ کے مساوی ہیں۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ[۱] ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً[۲] فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً[۳] فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً[۴] فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا[۵] فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا[۶] ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ۔ اور کتب نبوات میں قرآن پاک درجہ چہارم پر ہے۔ لہذا ظاہر و باہر ہے کہ جو کچھ تمام صحف و کتب انبیاء میں ہے وہ قرآن پاک میں ہے مع شیٔ زائد یہ تمام کتب کی صورت اجمالی ہے اور جملہ صحف و کتب قرآن کی صورت تفصیلی۔ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى۔ تذکر و تامل +

اور بدلائل ثابت ہی بلکہ مشاہدہ شاہد ہے کہ کامل کے ہوتے ہوئے ناقص کے احکام استقلالیہ سلب ہو جاتے ہیں اور اکمل کی موجودگی میں ناقص کے آثار مضمحل ہو جاتے ہیں اعلیٰ حاکم کے آجانے پر ادنیٰ حکام کے احکام اس کے تابع ہو جاتے ہیں دیکھو اور غور کرو۔ انسان میں چھ مراتب[۶] وہ موجود ہیں مثلاً جمادیت بھی ہے۔ نباتیت بھی ہے حیوانیت بھی ہے لیکن باوجود اس کے اب جو آثار اس سے ظاہر ہوتے ہیں وہ تحت انسانیت ظاہر ہوتے ہیں اور حکم انسانی نظر آتا ہے اور اس صورت میں اگر صحیح العقل سلیم الطبع انسان سے کوئی ایسی حرکت صادر ہو جائے جو اس کے ماتحت حیوانات کی شان رکھتی ہے تو فوراً گرفت ہوتی ہے اور بجائے انسان کہلانے کے حیوان کا لقب پاتا ہے کبھی کتا کہا جاتا ہے

اور کبھی گدھا بنایا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات حیوان سے بھی بدتر خیال کیا جاتا ہے۔ اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ غرض انسانیت حاصل ہو جانے پر جمادیت و نباتیت حیوانیت کے آثار و احکام مستقلہ باطل اور مضمحل ہو جاتے ہیں اور انسانیت کا حکم غالب و نافذ، اس طرح گویا انسان کتاب ناسخ اور نسخۂ جامعہ الٰہیہ ہے جس کے آگے دیگر نسخ و کتب مضمحل ہیں اور درجہ خلقت میں بھی مقصود بالذات ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ یہ مخلوقات و مصنوعات عالم کی صورت جامعہ کاملہ ہے۔ اگر مکونات عالم کی صورت صورت انسانی تک نہ پہنچتی تو تکوین ناقص رہتی اور تکمیل کا محتاج۔ اور جب تک صورت انسانی نہ بنی تھی تکوین عالم ناقص تھی۔ اس پر آن کر تکمیل ہوئی اسی طرح بلاشبہ قرآن پاک اکمل درجہ تدوین کتب آسمانی ہے۔ جمیع کتب و صحف سابقہ کی ناسخ ہے اور تمام مراتب کو حاوی و جامع۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے آتے ہی سابقہ احکام منقطع و منسوخ ہو گئے اور تمام شرائع مضمحل گو اپنے اپنے مقام پر سب کامل تھیں اور اسی مقام پر اب ہیں۔ جس طرح کہ دن میں چاند اور ثوابت و سیارات اپنے اپنے مقام پر باقی اور درخشاں ہوتے ہیں مگر اس وقت حکم آفتاب عالمتاب ہی کا نافذ و جاری ہوتا ہے۔

چنداں بود کرشمہ و نازِ سہی قداں　　　　کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

اور قرآن پاک کلام مجید۔ فرمان حمید۔ کتاب مبین کی جامعیت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی اجمال کافی ہے اور ہم اس سے آگے کچھ کہنے سے قاصر کیونکہ تفصیل کتاب اللہ محال ہے۔ العاقل تکفیہ الاشارہ۔

اور اس بیان سے حسبنا کتاب اللہ کا مفہوم خوب واضح ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ جن و انس کیلئے کافی ہے ارواح و نفوس کیلئے کافی ہے۔ عقول کیلئے کافی ہے۔ افلاک کے لئے کافی ہے آفاق کیلئے کافی ہے۔ اور جمیع عوالم کیلئے کافی ہے۔ کل ماسوے اللہ کے لئے کافی ہے علم و حکمت کے اعتبار سے کافی ہے تفصیل حقائق عالم کے لحاظ سے کافی ہے صلاح و بہبودی دنیا کے لئے کافی ہے فلاح آخرت کیلئے کافی ہے معاش کیلئے کافی ہے معاد کیلئے کافی ہے تبیان خلق کیلئے کافی ہے۔ توصیف خالق کیلئے کافی ہے شفاء نفوس کیلئے کافی ہے۔ برأت نار کیلئے کافی ہے اخلاق و آداب کیلئے کافی ہے۔ تمدن و تدین کیلئے کافی ہے۔ دیانت و سیاست کیلئے کافی ہے۔ ملک و دولت کیلئے کافی ہے۔ شریعت کے لحاظ سے کافی ہے۔ طریقت میں کافی ہے معرفت میں کافی حقیقت میں کافی۔ نبوت کیلئے کافی۔ رسالت کیلئے کافی۔ امامت کیلئے کافی۔ خلافت کیلئے کافی۔ اسلام کیلئے کافی۔ ایمان کیلئے کافی۔ عرفان کیلئے کافی۔ تکمیل انسان کیلئے کافی و حسبنا

کتاب اللہ ولیس وراء عبادان قریۃ۔

جامعیت کتاب اللہ کے سمجھنے کیلئے اسی قدر اشارہ کافی ہے کہ ماسوی اللہ کو جن علوم وفنون کی ضرورت ہے وہ سب بدرجہ اتم اس میں مذکور و مندرج ہیں۔

تفصیل کیلئے ایک علیحدہ کتاب تصنیف کرنے کی ضرورت ہے اور علماء اسلام نے اس عنوان پر یعنی "علوم القرآن" پر بہت سی کتب لکھی ہیں لیکن ہمارا مدعا یہ نہیں ہے۔ اور کسی محقق اور بابصیرت مسلمان کو اس میں شک وشبہ کی گنجائش بھی نہیں ہے اور اگر کوئی شبہ کرے تو یہی اس کی جہالت کی دلیل ہے۔ ہاں جامعیت قرآن کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کل علوم وفنون واحکام وحقائق کی تفصیل کلی وجزئی کہ ہر ایک شخص اس کو سمجھ لے یا ہر شخص اس کو دیکھ لے اس میں مذکور ہے۔ ایسی تفصیلی تحریر تو عظیم الشان حلقہ میں بھی نہیں ممکن۔ چہ جائیکہ ایک کتاب اور مختصر کتاب میں جس کو با آسانی جیب میں رکھ سکتے ہیں۔ بلکہ تعویذ بنا سکتے ہیں۔ بلکہ اس کی جامعیت کی مثال نسخہ جامعہ انسانیہ سے سمجھنی چاہئے۔ جس پر حکماء اور ائمہ مذہب کا اتفاق ہے کہ حقیقت انسانیہ تمام عوالم کو جامع ہے جس طرح کہ ایک دانہ یا درخت کی ایک گٹھلی درخت کی حقیقت تفصیلی کو جامع ہوتی ہے۔ اور جو کچھ درخت میں ہے وہ سب اسی دانے یا گٹھلی میں موجود ہوتا ہے۔ جاہل اس کو ادراک نہیں کر سکتے۔ اور عالم وعارف بچشم بصیرت اس کا مطالعہ ومعائنہ ومشاہدہ کرتے ہیں اور انہیں اس دانے میں کل حقیقت نظر آتی ہے۔ جاہل خالق عالم کی ہستی کا انکار کرتے ہیں اور عارف ہر ذرہ میں اسکا جلوہ دیکھتے ہیں ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

خدا بینی کیلئے خاص آنکھ چاہئے اسی طرح کلام خدا کی جامعیت کے دیکھنے کے واسطے خاص چشم بصیرت کی ضرورت ہے۔ یہ اس خدائے وحدہ لاشریک کا کلام ہے۔ جو ذات بسیط بحت ہے اور ہر قسم کی کثرت وترکیب سے مبرا ومنزہ ہے اور ہر ایک شبیہ ومثال سے بالا ہے اور پھر جمیع کمالات کو جامع ہے اور بیشمار صفات کمالیہ کا منبع ہے اور کل موجودات اس کی صفات کا مظہر ہیں۔ اسیطرح یہ مختصر کتاب تمام حقائق وبیشمار علوم وفنون کو حاوی اور جامع ہے اس کے ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف میں اسیطرح بیشمار حقائق پوشیدہ ہیں جس طرح دانہ میں شاخ اور برگ وگل وبار ودیعت ہوتے ہیں اور باوجودیکہ علم انسان نہایت قلیل اور محدود ہے۔ پھر بھی علماء امت نے ایک ایک آیت قرآن سے صدہا مسائل واحکام اخذ واستنباط کئے ہیں۔ انسان کی پیشانی ہاتھ اور پیر پر چند لکیریں نظر آتی ہیں۔ جاہل یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ کیا ہیں اور کیوں ہیں۔ علماء علم قیافہ ونجوم ہزارہا احکام انہیں خطوط ونقوش سے اخذ کرتے

ہیں۔ آئندہ وگذشتہ کے واقعات بتلاتے ہیں۔ جن میں سے اکثر صحیح نکلتے ہیں حالانکہ یہ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا کے مصداق ہیں۔ اس کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ پھر ان علماء ربانی کا کیا حال ہوگا۔ جو مکتب الوہیت کے تعلیمیافتہ اور مدرسہ توحید کے سندیافتہ ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انسان کی پیشانی پر جو چند بیڈھنگی لکیریں ہیں وہ لغو نہیں ہیں بلکہ خط تقدیر میں قلم قدرت نے اس کی سوانحمری اور گذشتہ وآئندہ کے حالات لکھدئیے ہیں علم الحروف کے عالم اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں جو ایک حرف الف سے علوم غیر متناہیہ استنباط کرتے ہیں ؎

اگر در خانہ کس است حرفے بس است

اسی طرح حروف مقطعات قرآنی جہال کیلئے معاذ اللہ بے معنی اور مہمل کلمات ہیں۔ اور علماء اور عرفأ کے لئے بیشمار علوم کا خزانہ علم مختصر نویسی کے عالم یقین ہے کہ اس راز کو سمجھ گئے ہونگے۔ فَحَسْبُنَا کتاب اللہ۔ وذٰلک الکتاب لاریب فیہ۔

کتاب اللہ الصامت وکتاب اللہ الناطق

یہ کتاب اللہ جو بین الدفتین ہمارے پاس موجود ہے۔ کون نہیں جانتا کہ یہ کتاب کی صورت مکتوبی ہے اور یہ مسلم ہے کہ آنحضرت صلعم پر یہ کتاب اس صورت مکتوبی میں نازل نہیں ہوئی تھی۔ نہ صوت وندا کی صورت میں سُنی گئی۔ بلکہ اس کی تعلیم تعلیم فیضی یعنی قلب پیغمبر میں یہ علم منجانب علیم حکیم ودیعت کیا گیا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ۔ دوسرے لفظوں میں آنحضرت صلعم کو عالم بنا کر بھیجا گیا۔ اور اہل علم میں مسلم ہے کہ علم ملکات نفسانیہ اور صفات روح سے ہے پس علم قرآن صفت محمدی اور ملکہ نفسانیہ محمدیہ ہے۔ وَالْكِتَابُ اَشَدُّ اِتِّحَادًا خَلْقًا وَّخُلُقًا بِحَقِيْقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ روح محمدی روح علمی ونورانی ہے۔ وَالْعِلْمُ نُوْرٌ يَّقْذِفُهُ اللّٰهُ فِيْ قَلْبِ مَنْ يَّشَآءُ۔ علم ایک نور ہے جس کے دل میں بھی خدا ڈالدے منبع علم ذات واجب الوجود ہے اور ذات واجب الوجود نور مطلق ہے۔ اور صفات باریتعالیٰ عین ذات ہے پس علم نور ہے اور ذات محمدی نور۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ۔ لہٰذا حقیقت نورانی روحانی محمدی عین علم وعین کتاب اللہ ہے حقیقت محمدی کتاب اللہ کا وجود حقیقی ہے اور یہ قرآن بین الدفتین وجود مکتوبی اور جسم محمدی وجود حسی اور محمد کتاب اللہ الناطق اور یہ قرآن کتاب اللہ الصامت اور صامت کا وجود وجود ناطق کا تابع بلکہ اس کا ظل ہوتا ہے۔ علم کا وجود بغیر ذات عالم کے معقول نہیں۔ یہ محال ہے کہ علم ہو اور عالم کا وجود نہ ہو

چہ جائیکہ کتاب کا وجود کتبی۔ پس ذات عالم اصل و صورت کتابی فرع۔ وہ اصل ہے اور یہ اسکا ایک وجود ظلی اور اس لیئے بلاشبہ حقیقت محمد صلعم، جو حامل علم الٰہی و معدن اسرار خداوندی اور محل مشیت ایزدی ہے۔ اصل ہے اور یہ کتاب اللہ صورت کتابی۔ فرع اور ظل ہے اور اس کا وجود وجود محمدی پر موقوف ہے۔ اور اس سے صاف نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ کتاب اللہ الصامت کا وجود کتاب اللہ الناطق کے وجود پر موقوف ہے۔ اور بنابریں یہ ناممکن ہے کہ کتاب صامت موجود ہو اور کتاب ناطق نہ ہو اور بغیر وجود کتاب ناطق وجود صامت غیر کافی۔ کتاب صامت کتاب ناطق کے ساتھ ہی مفید و مؤثر و کافی ہو سکتی ہے اور یہ نکتہ اس عنوان کی جان ہے۔

یہیں سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ حقیقت کتاب اللہ اور قرآن میں فرق ہے اور قرآن صورت اضافی ہے اور کتاب اللہ صورت حقیقی اصل کتاب اللہ وجود پیغمبری ہے۔ اور اس کے بعد جہاں یہ حقیقت علمیہ اسی شان سے موجود اور ودیعت ہے اور قرآن اس کی حقیقت مفردہ ہے۔ اور یہ کتاب کی تفصیل ہے۔ حصہ دوم میں اسکی مزید تفصیل دیکھئے +

وماکان ھٰذا القرآن ان یفتریٰ من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتاب لاریب فیہ

یہ قرآن ایسا نہیں جو غیر اللہ کا کلام ہو اور اس پر افترا۔ لیکن یہ قرآن تصدیق ہے ان کتب کی جو اس سے پہلے نازل ہوئیں ہیں اور یہ قرآن تفصیل ہے کتاب لاریب فیہ کی۔ کتاب لاریب بلاشبہ وجود محمدی ہوا اور قرآن اس کے اوصاف و کمالات کی تبیین و تفصیل۔ محمد کتاب اللہ ہے اور قرآن اس کی تفسیر۔

ناظرین اس سرّ کتاب اللہ میں خوب غور و تامل سے کام لیں اور اس کو بھول نہ جائیں ان ھٰذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم اسی واسطے یہ سنت الٰہی ہمیشہ جاری رہی ہے کہ کتاب صامت کے ساتھ کتاب ناطق ہوتی ہے۔ ھادی حقیقۃً کتاب ناطق ہے اور وہ وجود پیغمبری ہے بعلم در اصل وجود نبوی ہے۔ تحریری کتاب نہیں بولتی زبان رسالت بولتی ہے حقیقت کتاب پیغمبر کی صفات ناطقہ ہیں۔ ان صفات کو کوئی نہیں جان سکتا۔ جب تک کہ پیغمبر اس کو خود بیان نہ کرے۔ جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ یہ اس کا بیان ہے وہ سب کی حقیقت خلقی ہے۔ اسی طرف حدیث ام المومنین عائشہ میں اشارہ ہے۔ اور فریقین میں یہ روز و شب مشہور ہے۔ کہ سائل نے دریافت کیا کہ خلق محمدی کیا ہے جس کی نسبت خدا فرماتا ہے۔ انک لعلیٰ خلق عظیم فرمایا۔ خلقہ القرآن آپ کا خلق قرآن پاک ہے اور جو کچھ قرآن میں علماً موجود ہے وہ محمد صلعم میں بطور ملکہ و صفت موجود ہے۔ اور یہ قرآن اسی کا بیان ہے اور

وہی اپنی صفات کا مبین ہے +

حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ اور اسکے معنے

پس یہ مسلم ہے کہ کتاب اللہ کافی ہے۔ بلا شبہ کافی ہے۔ ہر مومن کا ایمان ہے کہ کتاب اللہ کافی ہے لیکن اس کافی ہونیکے معنی کیا ہیں؟ اس سے شاید بہت کم حضرات واقف ہونگے اور اسی راز کو نہ سمجھنے یا سمجھنے کی کوشش نہ کرنیسے کتاب اللہ سے ہدایت پانے کی بجائے ضلالت میں مبتلا ہوئے جاتے ہیں۔ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ کتاب اللہ کافی ہے۔ نہ اس کے ہوتے ہوئے علم سیکھنے کی ضرورت ہے۔ نہ عمل کرنے کی احتیاج ہے۔ نہ ہدایت رسول کی ضرورت ہے۔ کیا اس جملہ سے یہی مستنبط ہوتا ہے کہ اطاعت رسول کی ضرورت نہیں؟ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث رسول صلعم معاذ اللہ لغو اور بیکار ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے وصیت رسول کی ضرورت نہیں؟ کیا ہر شخص اس کتاب اللہ کو سمجھ سکتا ہے کیا ہر عربی دان اسکا ماہر ہوسکتا ہے۔ کیا تحریر خود اپنے معنی بتلا سکتی ہے؟ کیا مجموعہ مین الدفتین خود ہدایت کرسکتا ہے؟ اور اختلاف مٹا سکتا ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو بیشک بعثت رسول اللہ کی ضرورت نہیں ہے ہدایت رسول (صلعم) کی احتیاج نہیں تعلیم رسول (صلعم) لازم نہیں لیکن یہ باطل محض اور محال مطلق ہے۔ کیونکہ رسول کتاب اللہ الناطق ہے۔ اور وہ اصل ہے اور یہ بصورت مکتوبی فرع اور فرع زائد بر اصل نہیں ہوسکتی۔ شاخ کا وجود جڑ سے پہلے اور جڑ کے بغیر ناممکن ہے پس کتاب ناطق کے بغیر کتاب صامت کا کافی ہونا بدیہی البطلان قضیہ ہے جس کی طرف کوئی ذی عقل توجہ نہیں کرسکتا۔ وجود علم عالم سے ہے۔ وجود کتاب عالم سے ہے تعلیم کتاب عالم دیتا ہے تبلیغ کتاب عالم کا کام ہے۔ اگر کوئی ممکن شئے بغیر علت موجدہ کے وجود میں آسکتی ہے! اگر کوئی متحرک بغیر محرک کے حرکت کرسکتا ہے۔ اگر حادث بغیر معیت قیومیہ باقی رہ سکتا ہے۔ اگر کسی دماغ کے ذخائر علمیہ بغیر اس شخص کے بیان کے ظاہر ہوسکتے ہیں تو بیشک کتاب صامت کتاب مکتوبی ہادی معلم مبلغ ہوسکتی ہے لیکن محال ممکن نہیں ہوسکتا اور اس لئے کتاب بھی خود ہادی اور معلم و مبلغ نہیں ہوسکتی۔ قال ایتہ اللہ فی العالمین وحجتہ علی اھل السموات والارضین لیس العلم فی السماء فینزل علیکم ولا فی تخوم الارض فینبت لکم بل ھو مجبول فی قلوب العارفین۔ تأدبوا باخلاق الروحانین تظہر علیکم۔ علم نہ آسمان میں ہے۔ جو بارش کی صورت میں تم پر برسے اور نہ زمین اور اس کے پردوں اور پرتوں میں ہے۔ جو نباتات کی طرح تمہارے لئے اُگ آئے۔ بلکہ وہ تو عارفین کی سرشت اور جبلت میں ودیعت کیا گیا ہے انکے

دل کے خزانوں میں محفوظ رکھا گیا ہے۔ روحانی ہستیوں کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو علم تم پر
ظاہر ہو جائیگا۔ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ
بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ اب غور کرو کہ حسبنا کتاب اللہ کے کیا معنی ہیں
کیا واقعاً کتاب اللہ بایں معنی کافی ہے کہ حدیثِ رسول اور بیان پیغمبری
کی احتیاج نہیں۔

پیغمبر نے اپنے بعثت کا اظہار کیا اور اول دعوت میں فرمایا کہ میں خدا کا رسول بنکر آیا
ہوں کہ تمہیں اسکی راہ دکھلاؤں۔ جو اس کام میں میرا شریک ہوگا میرے اوپر ایمان لائیگا۔ میری تصدیق
کریگا وہی میرے بعد میرا وصی۔ بھائی اور وزیر ہوگا (ابن ہشام) یہ کلمات رسول ہیں۔ یہ صحیح ہیں یا غلط
حق ہیں یا باطل؟ اگر باطل اور نادرست ہیں تو نبوت باطل ہے اور اگر یہ احادیث اور کلمات پیغمبری
درست اور حق ہیں تو تصدیقِ حدیث رسول پر تصدیق کتاب موقوف ہے اور یہ تصدیق حدیث قرآن
سے مقدم ہے۔ اس دعوے کے اظہار کے بعد اور کچھ لوگوں کے باایمان ہوجانے پر رسول کچھ
کلام سناتا ہے اور اپنی زبان مبارک سے کہتا ہے کہ جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں اور سنا رہا ہوں یہ کلام خدا
ہے مجھکو الہام ہوا ہے۔ یہ جو کچھ بیان ہے حدیث پیغمبر ہے۔ یہ صحیح ہے یا غلط حق ہے یا باطل
ہے؟ اگر باطل ہے تو نبوت باطل ورنہ حدیث پیغمبر قرآن پر مقدم۔ جب اس کی یہ حدیث صحیح مان
لوگے اسی وقت قرآن کی تصدیق کر سکتے ہو۔ پس حدیث پیغمبر کی تصدیق پر تصدیق نبوت و تصدیق
وجود قرآن پر موقوف ہے اور حدیث نبوی کی تصدیق درجہ تصدیق کتاب اللہ پر مقدم ہے۔ جو لوگ
حدیث رسول سے انکار کرتے ہیں وہ صاف و صریح الفاظ میں نبوت ختمی مرتبت کے منکر ہیں اور ساتھ
ہی در اصل قرآن کے بھی منکر ہیں کیونکہ تصدیق کتاب قرآن تصدیق نبوت و تصدیق قول پیغمبری پر
موقوف ہے۔ بناء علی ہذا جو شخص حسبنا کتاب اللہ کے یہ معنے کرتا ہے کہ ہمیں کتاب کافی ہے نہ
اسکے ساتھ مبلغ کی ضرورت ہے نہ حدیث نبی کی احتیاج وہ نہ کتاب اللہ کو سچا جانتا ہے اور نہ پیغمبر کو
صادق امین مانتا ہے۔ یاد رکھو کہ الفاظ کتاب اللہ جس کو قرآن کہتے ہو۔ یہ بھی اسی زبان سے تمکو پہنچے
ہیں جس زبان سے وہ احادیث پہنچی ہیں اور بلا شبہ یقیناً قرآن بھی رسول ہی کو ملا ہے۔ تم کو الہام نہیں
ہوا اسکو ہوا ہے اس نے تمکو سنایا اور بتلایا ہے پڑھایا ہے پس اس مقام تصدیق میں حدیث اور قرآن
میں کوئی فرق نہیں۔ رہا سنیت اور اسناد حدیث کا مسئلہ وہ علیحدہ ہے اور اس کے تحقیق کے اصول جدا گانہ
ہیں جو حصہ دوم میں مفصل آئینگے۔ جو حدیث یقیناً زبان محمدی سے صادر ہوئی ہے وہ بلا شبہ تصدیق

میں کتاب اللہ کا ہی مرتبہ رکھتی ہے۔ لانّ مَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی وہ جو کچھ زبان سے فرماتا ہی منجانب اللہ فرماتا ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ آیت اطلاق و عموم پر دال ہے۔ اس سے کسی کو مستثنے قرار دینا لوگوں کا اجتہاد ہے نہ خدا کا بیان۔

اپنے اعتقاد سے قرآن کو مطابق نہ کرو بلکہ کتاب سے اپنے اعتقاد کو مطابق کرو جو اس کے مطابق ہو اس کو صحیح جانو جو اس کے خلاف ہو اس کو غلط سمجھو واتھوفیہ ا راء کم دیکھو قرآن پاک میں کیا ارشاد ہوتا ہے اور انہیں لوگوں کی حالت کا صاف نقشہ کھینچتا ہے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ (مائدہ ع ۱۳) اور جس وقت ان سے کہا گیا کہ آؤ اس کتاب کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے اور آؤ اس کے رسول کی طرف تو کہنے لگے کہ ہمیں تو وہی کافی ہے جس پر ہمارے بزرگ کاربند تھے۔ کیا اگر انکے بزرگ بالکل جاہل اور غیر مھتدی یعنی گمراہ تھے تو بھی یہ انہی کی تقلید کئے جائیں گے؟ آیت میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی دعوت دیگئی ہے اور حسبنا کتاب اللہ کے قائل اور حدیث رسول کے منکر نصف آیت پر ایمان رکھتے ہیں اور نصف کے منکر ہیں اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کیا کتاب اللہ کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصے کے منکر اور اس سے کافر ہو؟ حالانکہ کل و بعض کا انکار مساوی ہے بلکہ ایک حرف کا انکار بھی انکار کل ہے اور بنا بریں انکار حدیث انکار کتاب اللہ ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعو الرسول۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اور حدیث رسول پر چلو۔ ولا تتبعوا خطوات الشیطن شیطان کے قدم بقدم نہ چلو اس سے ثابت ہوا کہ حسبنا کتاب اللہ کے یہ معنی بالکل غلط ہیں کہ اس کے ساتھ معلم کی ضرورت نہیں۔ حدیث کی پیروی فرض نہیں۔ سنت رسول کوئی شے نہیں۔ خدا فرماتا ہے اور مومنین کے قول کی حکایت کرتا ہے۔ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَرَسُوْلُہٗٓ اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوْنَ ان بندگان خاص نے عرض کیا کہ ہمارے واسطے اللہ کافی ہے عنقریب اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل و احسان سے ہمیں بہت کچھ عنایت فرمائیں گے اور بیشک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (توبہ ع ۶) ھو حسبی وحسبنا اللہ۔ وحسبنا اللہ نعم الوکیل۔

اور سورہ انفال میں خدا فرماتا ہے۔ حسبک اللہ لیکن کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کافی ہے ہمیں نہ رسول کی ضرورت ہے نہ کتاب کی احتیاج ہے۔ نہ خلیفہ کی حاجت نہ امام الناس کے ہم محتاج؟

کیا مومن یہ عقیدہ رکھ سکتا ہے ؟ کیا اس عقیدے کے ساتھ وہ مسلمان کہلا سکتا ہے۔ اگر حسبنا اللہ کے یہ معنی ہیں تو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کے کیا معنے ہونگے ؟ بیشک یہی عقیدہ حقہ ہے کہ حسبنا اللہ اور وہ ضرور کافی ہے۔ اس کا نام کافی و وافی و شافی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم وسائل و اسباب سے مستغنی ہو گئے۔ یا ہمیں ہادی معلم مبلغ رسول اور امام کی ضرورت نہیں ہی باوجودیکہ مومنین کا یہ اعتقاد آیت میں مذکور ہے کہ حسبنا اللہ پھر بھی عرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں سیوتینا اللہ و رسولہ فضل الہی کے ساتھ فضل محمدی کو بھی شامل کیا ہے۔ جانتے ہیں کہ فضل خداوندی بغیر واسطہ پیغمبر ہمارے لئے ناممکن ہی جس طرح اطاعت خدا کے ساتھ اطاعت رسول منضم ہے اسیطرح کفایت خدا کے ساتھ کفایت رسول اور خدا ہمیں کافی ہے۔ بلاشبہ اور اطاعت رسول کے ساتھ اطاعت ولی الامر شامل ہے اور کفایت رسول کے ساتھ کفایت ولی الامر منضم ہے۔ یا محمد۔ یا علی۔ یا علی یا محمد اکفیانی فانکما کافیای۔ رسول مظہر اطاعت خدا ہے ولی الامر مظہر اطاعت رسول رسول مظہر کفایت خدا ہے۔ ولی الامر مظہر کفایت رسول اور اسی مظہریت کی بنا پر اہل ایمان و عرفان رسولخدا و ولی خدا سے نصرت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں یا محمد یا علی یا محمد انصرانی فانکما ناصرای اور جب رسول کی اطاعت اور ولی الامر کی اطاعت خدا کی اطاعت کیساتھ شرک نہیں ہے۔ بلکہ عین توحید ہی تو خدا کی کفایت کے ساتھ رسول اور ولی الامر کی کفایت بھی اسی عقیدہ صحیح کے ساتھ شرک نہیں وہ واسطہ فیض وسیلہ رحمت و مظہر کفایت و نصرت و ہدایت ہیں شرک کیونکر ہو سکتی ہے پس جو شخص محمد کو وسیلہ نجات وسیلہ ہدایت وسیلہ نصرت وسیلہ کفایت مظہر خداوندی سمجھکر طلب نصرت کرتا ہے اور وقت مصیبت یا محمد کہتا ہے وہ ہرگز مورد طعن نہیں ہے۔ ہاں اگر خدا کے بالمقابل اسکو مستقل بالفیض و التاثیر سمجھ کر لیا کیا جائے تو عین کفر و شرک ہے۔ فافہم و تدبر۔ فانہ دقیق و بالقبول حقیق لطیعو اللہ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا اَعْمَالَکُمْ فانَّ مَنْ اَطَاعَ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہَ۔ خدا کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کرو اور اسکی اطاعت چھوڑ کر اپنے اعمال کو باطل نہ کرو کیونکہ جو عمل اطاعت رسول سے خارج ہے وہ باطل ہے۔ بغیر واسطہ و وسیلہ اس ذات پاک واجب الوجود بسیط بحت قدیم ازلی تک رسائی محال ہے۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَابْتَغُوا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ۔ اے اہل ایمان خدا سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو ورنہ وہاں تک رسائی ناممکن ہے

در میرو وزیر و سلطان را   بے وسیلہ مگرد پیرامن

نیز اس سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ حسبنا اللہ کہنے اور اعتقاد رکھنے سے یہ مدعا نہیں کہ ہمیں اللہ کی ذات وصفات کا علم بھی ہو جائے ہم صفات باری تعالیٰ پر احاطہ بھی کر لیں یا اسرار ربوبیت الوہیت پر مطلع ہو جائیں اور غیب الغیوب ہویتی سے واقف ہو جائیں اسی طرح حسبنا کتاب اللہ سے یہ مقصد نہیں کہ ہم رسول اور امام کی ضرورت سے مستغنی ہو جائیں۔ بیشک حسبنا اللہ صحیح اور خدا کافی ہے۔ اس کا نام کافی ہے۔ خدا شناسی کیلئے اس کے واسطۂ فیض رسول کی ضرورت ہے۔ اسی طرح کتاب اللہ کافی ہے لیکن اس کے اسرار حل کرنے کیلئے عالم ربانی خدا کے معلم کی ضرورت ہے، اور تبیین قرآن کی احتیاج ہے اور وہ مبین و معلم کتاب ناطق ہے۔ نہ اللہ کو ہم خود سمجھ سکتے ہیں نہ کلام اللہ کو۔ کوئی بتلائے تو جانیں کوئی سمجھائے تو سمجھیں۔ ہاں کتاب ناطق اس حیثیت سے یقیناً کافی ہے۔ کیونکہ کتاب صامت کتاب ناطق کے وجود سے وابستہ ہے۔ یہ ظاہر ہے وہ باطن ہے۔ کتاب ہو تو عالم کافی ہے۔ عالم نہ ہو تو کتاب کافی نہیں ہے۔ فالکتاب اشد اتحاداً بالحقیقۃ المحمدیہ۔ کتاب جامع کتب ہے حقیقت محمدی جامع حقائق عالم امکان ہے۔ و نعم ما قیل من لسانہ (صلعم) گویا آنحضرت اپنی زبان حال سے فرماتے ہیں:۔

عالم صفت حسن سراپائے من است   افلاک و عناصر ہمہ اعضائے من است

در حیرتم از نظم عجیبی کہ مراست   آغاز و سر انجام ہمہ پائے من است

باب دوم

ذرائع و اسباب قرآن فہمی

فہم کتاب اللہ ہر شخص کیلئے ناممکن ہے

اگرچہ اس عنوان کو واضح کرنے کیلئے صرف یہ ہی صدر کافی ہے لیکن سطحی حضرات کیلئے یہاں مزید توضیح کرتے ہیں۔ بلا شک و شبہ فہم کتاب اللہ ہر شخص کیلئے ممکن نہیں اور احاطہ ہر کتاب اللہ سوائے ان کے

جن کو قدرت نے اسی کیلئے خلق کیا ہے کسی کو میسر نہیں۔

اوّل۔ اس لئے کہ ہر ایک علم کی کتاب کیلئے مدرس اور معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا اس کتاب کیلئے بھی معلم و مدرس کی ضرورت ہے۔ ہر ایک شخص اسی علم کی کتاب کو حسب استعداد سمجھ سکتا ہے جس علم کی اس نے تعلیم پائی ہے۔ دوسرے علم کی کتاب نہیں سمجھ سکتا جس کتاب میں دو یا چار یا دس میں علم ہوں اسکو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو ان علوم کا پہلے سے عالم ہو جس کتاب میں سو علم ہوں اسکا صحیح مطالعہ وہی کر سکتا ہے جو ایک علامہ عصر ہو۔ پس جس کتاب میں کل علوم ہوں۔ کل ماسوی اللہ کی ضروریات معاد و معاش و تمدن و تدین ہوں۔ اس کتاب کو وہی سمجھ سکتا ہے جو پیشتر سے ان تمام علوم کا ماہر ہو اور چونکہ عام انسانوں کا علم نہایت محدود ہے۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ علم سے انہیں بہت تھوڑا حصہ ملا ہے۔ لہذا کسی عالم کیلئے بھی کتاب اللہ کے کل علوم۔ اسرار و حقائق و دقائق پر احاطہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ جو شخص یہ دعوے کرے۔ وہ پہلے یہ ثابت کرے کہ وہ قبل مطالعہ کتاب اللہ ان جمیع علوم پر حاوی ہے۔ جن کو اس کتاب میں تعلیم دیا گیا اور بیان کیا گیا ہے اور ایسا دعویٰ انسان تو کیا ملائکہ مقربین بھی نہیں کر سکتے۔ جن کو ایک خلیفہ خدا کے مقابلہ میں آخر کار اقرار کرنا پڑتا ہے۔ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ لہذا اس کتاب کیلئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے جو ان تمام علوم سے جن کا اس کتاب اللہ میں بیان ہے عالم ہو اور یہ بات بغیر تعلیم خاص ربانی و وحی و الہام رحمانی ناممکن ہے پس بغیر تعلیم عالم ربانی فہم قرآنی محال ہے۔

دوم۔ معانی مقدم ہیں الفاظ پر۔ متکلم اپنے ذہن و دل و دماغ میں کچھ مطلب رکھتا ہے جنکو وہ الفاظ کے لباس میں اظہار کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سننے والا وہ کل مطالب کو سمجھ لے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض کو سمجھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بالکل نہ سمجھے۔ یہ ہمارے کلام کی شان ہے۔ پھر خالق کے کلام کی کیا شان ہوگی؟ جو در حقیقت نہ حرف ہے نہ صوت وہ زبان بے زبانی سے کلام کرتا ہے۔ کیونکر ممکن ہے کہ انسان ضعیف البنیان المرکب من الخطاء والنسیان جس کا علم محدود و ادراک محدود اس لامتناہی الصفات ذات کے کلام کو کما حقہ ادراک و فہم کر سکے قطعاً محال ہے اور مدعی کاذب مفتری اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا۔ بشر کے کلام کے معانی کا ہر بشر کو احاطہ ممکن نہیں تو خالق زمین و آسمان و جن و انس و ملک و عقول کے کلام کے معانی پر عقل بشری کیونکر محیط ہو سکتی ہے۔ جو اسی لفظ کُنْ سے مخلوق ہے جو اس کا کلام ہے +

سوم۔ کلام اللہ کی تنزیل بصورت اعجاز ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا

فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ اور اسکے معنی یہی ہیں اور اتفاق علماء بھی اسی پر ہے کہ عقول بشری اس کلام کے مقابلہ میں عاجز ہیں باوجود اس مسلم دعوے اور اس اقرار کے کون ذی عقل کہ سکتا ہے کہ اس کلام معجز نظام کا سمجھنا ممکن ہے اور اس کے حقائق و اسرار پر عقل انسانی حاوی ہو سکتی ہے۔ یہ دعوے قرآن کے دعوے اعجاز کے منافی ہے معجزہ کی حقیقت صاحب اعجاز ہی جانتا ہے بلکہ اعجاز صاحب اعجاز کے ہی ہاتھ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کے زبان سے ظاہر ہوتا ہے عصائے موسیٰ کی حقیقت موسیٰ ہی جانتے ہیں اور عصائے موسوی کا اعجاز دست موسیٰ میں ہی ظاہر ہوتا ہے نہ کہ فرعون کے ہاتھ میں چہ جائیکہ اور ہمہ شمہ سے "عصائے موسیٰ را ید بیضا باید"۔

اسی طرح کلام ربانی کے سمجھنے کیلئے عالم ربانی چاہیئے۔ اگر عام علماء کی عقول حقائق و معانی قرآن پر احاطہ کرلیں تو قرآن معجزہ نہ رہیگا اور یہ دعوے معاذ اللہ باطل ہو گا۔ لہذا یا دعوی قرآن فہمی باطل ہے یا دعوی اعجاز قرآن۔ جس کا جو دل چاہے اختیار کرے ولکل وجھۃ ھو مولیھا وکل یعمل علی شاکلتہ +

چہارم۔ توریت کی عبارت معجزہ نہیں ہے اور اس کی تنزیل بطور اعجاز نہیں ہوئی اور خدا فرماتا ہے اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ وَکَانُوْا عَلَیْہِ شُھَدَآءَ۔ اور ہم نے توریت نازل کی ہے جس میں ہدایت اور نور ہے جس سے مسلمانوں کیلئے انبیاء حکم کرتے اور فتوی دیتے ہیں اور علماء ربانی اور احبار۔ کیونکہ یہ مستحفظ کتاب اللہ بنائے گئے اور اس پر شہید قرار دیئے گئے ہیں +

اول توریت سے حکم کرنے والے انبیاء ہیں دوسرے درجہ پر علماء ربانی اور ان کے اوصیا صاحبان الہام ہیں تیسرے درجہ پر احبار و علماء کاملین ملتے ہیں جنہوں نے ان انبیاء و اوصیاء سے علم حاصل کیا ہے اور توریت میں ہدایت و نور ہے۔ قرآن پاک سراسر ہدایت و نور مطلق ہے۔ الٓمّٓ۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الآیہ۔ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا۔ اس کو ہر شخص کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ ہر شخص اس سے کس طرح حکم لگا سکتا ہے۔ ہر عربی دان اس سے کیسے فتوے دیسکتا ہے ع

این خیال است و محال است و جنوں

مزید تفصیل ہماری کتب کشف الاسرار و خلافت الٰہیہ میں ملاحظہ ہو)

پنجم۔ قرآن منبع علوم ہے اور ماخذ علوم عربیہ بھی یہی ہے اور ہر ایک عربی قاعدے کی صحت

اسی سے مطابقت وموافقت پر موقوف ہے اور اس لئے قواعد عربیہ تابع کلام اللہ ہیں نہ کہ کلام اللہ تابع
قواعد عربیہ ہے۔ کلام خدا تمام علوم کے ساتھ علوم عربیہ کو بھی حاوی ہے۔ اس لئے قواعد عربیہ کلام اللہ پر حاوی
نہیں ہو سکتے۔ کلام اللہ عربی ہے نہ جہال عرب کے ماتحت حقیقی عالم عربیت۔ خدا اور اس کا رسول ہیں اسیواسطے
بلسان عربی مبین فرمایا نہ کہ فی لسان عربی مبین اور یہ نکتہ اہل علم کیلئے کافی ہے اگر "فی" ہوتا
تو ظرفیت عربی اور مظروفیت کلام اللہ کا استدلال قشریین کر سکتے تھے لیکن بلسان عربی مبین
نے اسکو دفع کر دیا۔ بنا بریں علوم عربیہ کے ذریعہ علوم قرآنیہ پر اطلاع تام واحاطہ کاملہ محال ہے خصوصاً جبکہ
خود زبان عربی اور علوم وقواعد عربیہ پر ہی احاطہ اہل علم کیلئے مشکل ہو۔ بالخصوص جبکہ خود قواعد میں بہت
سخت اختلاف ہو اور بڑے بڑے کاملین وپیشوایان زبان مرتے دم تک بعض مسائل نحویہ کے شبہات
کو رفع نہ کر سکے ہوں اور سیبویہ جیسا کامل مرتے دم تک یہ کہے اموت وفی قلبی من حتی شیئ میں
مر رہا ہوں اور لفظ حتیٰ کے اعراب کا شبہ میرے دل میں باقی ہے۔ پھر کیونکر کوئی عالم عربیت دعوے کر سکتا
ہے کہ وہ ان علوم کسبیہ کے ذریعہ حقیقت کلام اللہ تک رسائی پا سکتا ہے۔ حالانکہ زباندانی اور شے ہے
اور علوم سے واقفیت اور اطلاع شے دیگر۔ ہر اردو دان طبیب حکیم۔ فقیہہ۔ فلسفی منطقی۔ مہندس اور
ریاضی دان نہیں ہو سکتا۔ پس اگر کوئی شخص زبان عربی کا کامل عالم بھی ہو اور قواعد زبان بھی صحیح
اور متفق ہوں پھر بھی جملہ علوم قرآن پر احاطہ کیونکر میسر ہو سکتا ہے۔ ع

ایں زمیں را آسمانے دیگر است

قرآن پاک کا دعوے ہے اور اصول دین اسلام اس کے شاہد۔ اور عقل اس پر گواہ صادق کہ
خدائے وحدہ لاشریک لہ کے کلام میں اختلاف نہیں ہے۔ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا
كَثِيْرًا اور یہ اختلاف نہ ہونا ہی اس کے کلام خدا ہونیکی ایک دلیل ہے لیکن کتب تفاسیر اور کتب فقہیہ احکام
بلکہ جملہ تصانیف علماء کرام اختلاف سے پر ہیں۔ ایک مذہب دوسرے کے خلاف ہے ایک مفسر دوسرے کی رد
کرتا ہے۔ اور ایک فرقہ کا عالم دوسرے فرقہ کی تکفیر وتفسیق کرتا ہے اور ہر ایک اپنے مذہب اور عقیدہ مذہب
کو اپنے گمان میں اسی کتاب اللہ سے لیتا ہے اور کوئی مسئلہ مسلمانوں کا ایسا نہیں ہے جس میں کچھ نہ کچھ اختلاف
نہ ہو حتی کہ خود صفات باری تعالیٰ اور اس کے افعال میں بیحد اختلاف علماء علم کلام میں موجود ہے پس یہ اختلاف
یا تو خود کلام اللہ وکتاب اللہ سے پیدا ہوتا ہے اور معاذ اللہ اس کا یہ دعوے غلط ہے کہ اس میں اختلاف
نہیں ہے یا یہ کہو کہ علماء حقیقت کلام اللہ پر کما حقہ مطلع نہیں ہیں اس لئے ان کے کلام میں اضطراب واختلاف
ہے اگر علم ظاہری اور کسبی کے ذریعہ علماء کتاب اللہ کی حقیقت کو سمجھ سکتے

یقینی دلیل ہے کہ عقول و فہوم و علوم علماء قرآن اور کتاب اللہ کی حقیقت تک پہنچنے اور اس کو کماحقہ
دریافت کرنے سے قاصر اور عاجز ہیں اور جو منصف مزاج ہیں وہ اسی کا اعتراف رکھتے ہیں اس سے
ثابت ہوا کہ تعلیم قرآن و تبلیغ قرآن اور ہدایت بالقرآن کیلئے علوم ظاہریہ علماء ظاہری کافی نہیں
ہیں یہ خود اس کیلئے ایک عالم ربانی و معلم الٰہی کے محتاج ہیں۔ ورنہ کتاب اللہ معطل رہیگی اور معاذ اللہ
تنزیل لغو ہوگی +

ہفتم۔ کتاب اللہ میں بعض آیات محکم ہیں اور صریح الدلالۃ۔ اور بعض متشابہ اور غیر صریح الدلالۃ
فِيهِ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ اور متشابہات محتاج تاویل
ہیں اور عقل شاہد اور حاکم ہے کہ کلام اللہ کی تاویل خود خدا ہی جان سکتا ہے یا وہ جسکو وہ تعلیم دے الہام کرے القاء
فرمائے۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ خدا کے سوا اسکی تاویل کوئی نہیں جانتا۔ کیونکہ تاویل اول سے ہے
اور اسکا مطلب معنی ظاہری کو معنی اصلی و حقیقی کی طرف راجع کرنا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ پہلے سے حقیقت
معلوم ہو اور یہ اول نزاع ہے کہ حقیقت قرآن ہر شخص یا عالم کیلئے ممکن نہیں ہے لہذا تاویل کتاب اللہ بھی ہر عالم
کے لئے ممکن نہ ہوئی۔ علاوہ ازیں تاویلات کے اختلاف سے کتب پُر ہیں اور یہ دلیل نافہمی بلکہ یہ وہ جال فریب
ہے جس میں دنیادار علماء جہال کو پھنساتے ہیں اور من گھڑت تاویلیں کرکے خلق خدا کو گمراہ کرتے ہیں
نئے نئے فتوے دیتے ہیں عجیب و غریب احکام بناتے ہیں بیسیوں مذہب ایجاد کرتے ہیں اور ایسا کرنیوالے
ان آیات متشابہات کو اپنے اور اپنے مذہب باطل پر چسپاں کر لیتے ہیں۔ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ
مَرَضٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ الآیہ اور وہ لوگ
جن کے دلوں میں کھوٹ اور مرض منافقت ہے تو وہ اس کتاب میں سے فتنہ پردازی کیلئے اور تاویل کی
خواہش میں آیات متشابہات ہی کی پیروی کرتے ہیں انہیں کو دینی مسلک قرار دیتے ہیں اور جملہ مذاہب
کی ایجاد اسی میدان تاویل کی وسعت کا نتیجہ ہے۔ بناءً علی ہذا اگر آیہ تاویل میں وَالرَّاسِخُونَ
فِي الْعِلْمِ پر بھی وقف کیا جائے تو بھی ہمارا مدعا ثابت رہیگا اور راسخین فی العلم عام علماء نہ ہونگے بلکہ وہ
ہی خاصان خدا جو منجانب اللہ تاویل کلام خدا کے عالم ہیں۔ کیونکہ بلاشبہ راسخ فی العلم وہ نفوس ہیں جنکے
علوم کامل اور ان میں تغیر و تبدیل اور سہو و نسیان کی گنجائش نہیں اور وہ علماء ربانی ہی ہیں +

تاویل کلام اللہ ایک نہایت مشکل مسئلہ ہے۔ حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے۔ الرؤیا الصادقہ
جزء من اربعین جزءً من النبوۃ۔ سچا خواب نبوت کے چالیس جزوں میں سے ایک جزو ہے اور گویا یہ خواب
بھی ایک قسم کی تعلیم الٰہی ہے اور محتاج تاویل و تعبیر۔ اور اس کی تاویل خواص نبوت میں سے ہے۔ چنانچہ

حضرت یوسفؑ کیلئے خدا فرماتا ہے۔ وَعَلَّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ۔ ہم نے ہی یوسفؑ کو ان احادیث کی تاویل سکھائی ہے۔ بغیر تعلیم الٰہی خواب کی صحیح تعبیر بھی معلوم نہیں ہو سکتی پھر کیونکر ممکن ہے کہ کلام الٰہی جو سراسر حرف بحرف معجزہ ہو اور خاتم النبیین پر اُترا ہو جو منتہائے درجات نبوت کو جامع اور حاوی ہو عام علماء سمجھ سکیں۔ حضرت یوسفؑ کے قصہ میں رویائے صادقہ کو احادیث سے تعبیر کرنے میں ایک دقیق نکتہ ہے گویا پیغمبر کے سچے خواب الہام ربانی ہوتے ہیں اور کلام اللہ کی شان رکھتے ہیں اور رویائے صادقہ انحاء و طرق علوم نبوی میں سے ایک نحو اور طریقہ ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا جو نئے عیسائی نکالتے ہیں کہ جو سچا خواب دیکھے وہ نبی ہے۔ اول اس میں بحث ہے کہ جس کو وہ سچا خواب کہتے ہیں وہ سچا بھی ہے یا نہیں۔ دوسرے مدعا حدیث یہ ہے کہ نبی صادق کا ہر ایک خواب سچا ہوتا ہے نہ یہ کہ ہر ایک سچی خواب دیکھنے والا پیغمبر ہوتا ہے۔ اور اگر یہ ہو تو فرعون جس نے ظہور موسیٰ کو خواب میں دیکھا اور نمرود جس نے نور ابراہیمی خواب میں مشاہدہ کیا اور بادشاہ مصر جس نے سچا خواب دیکھا اور حضرت یوسفؑ نے اس کی تعبیر بتلائی سب پیغمبر برحق اور صادق انبیاء ہونگے اور کچھ تعجب نہیں کہ دین خدا کو وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھنے والے جھوٹے مدعیان نبوت اور ان کے پیرو۔ اپنی خاطر فرعون و نمرود۔ شداد و بخت نصر اور بادشاہ مصر کو بھی خدا رسیدہ پیغمبر جلالی بنا دیں۔ اور یہی وہ تاویلات ہیں جو ہمیشہ موجب گمراہی ہوتی ہیں اور ایسے مدعی ہمیشہ ایسا کرتے ہیں۔ اور بعض ناحق شناس۔ مدعیان حضرات نے یہ کہہ بھی دیا ہے کہ فرعون خدا رسیدہ تھا مگر وہ صورت جلالی میں تھا اور حضرت موسیٰ صورت جمالی میں اور اس لئے حضرت موسیٰ اس کو سمجھ نہ سکے (اور خدائے موسیٰؑ نے بھی موسیٰؑ کی اندھی تقلید کی پٹی آنکھوں پر باندھکر مع لشکر فرعون کو غرق کر دیا)

مگر یہاں بھی تاویل کی گنجائش ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دریائے نیل میں غرق نہیں ہوا بلکہ وہ دراصل بحر معرفت الٰہی میں غرق ہو کر نہیں واصل باللہ ہو گیا۔ العیاذ باللہ۔

خدا رحم کرے ان علماء اور ان مصنفین و مفسرین پر اور نیک ہدایت دے کہ ان میں علم کی اصلی صفت یعنی خشیۃ اللہ پیدا ہو اور یہ خدا سے ڈریں۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔ بہرحال یہ باب تاویل ایک بین دلیل ہے کہ کتاب اللہ کے سمجھانے پڑھانے۔ اس سے ہدایت کرنے اس سے فتویٰ دینے اس سے حکم لگانے اور حکم نکالنے کیلئے معلم ربانی موجود ہو ورنہ علم تاویل کتاب اللہ محال ہے۔

ہشتم۔ کتاب اللہ میں ناسخ ہے منسوخ ہے۔ عام ہے خاص ہے مطلق ہے مقید ہے۔ حسن مطلع ہے اتصال ہے انفصال ہے محکم و متشابہ ہے ظاہر ہے باطن ہے۔ وحرم ربی الفواحش

ما ظہر منہا و ما بطن۔ (نعمۃ ظاہرۃ و نعمۃ باطنۃ)

اور ایک ایک لفظ ظاہر و باطن کے لحاظ سے صورت تنزیل و تاویل تمثیل میں صدہا معانی و مطالب کو شامل و حامل ہے اور کلمہ کلمہ نہ صرف متشابہات کا بلکہ محکمات کا بھی بہت سے معانی مختلف بلحاظ معانی لفظیہ و معنویہ رکھتا ہے ان تمام معانی میں سے ہر موقع و مقام پر مقصود الٰہی کو سمجھنا۔ عام تو عام خواص کاملین کیلئے بھی ناممکن ہے اور چونکہ ایک ایک لفظ سے بیشمار مطالب مستنبط ہوتے ہیں۔ ایک عالم حقیقی و عالم ربانی ایک جملہ نہیں بلکہ ایک کلمہ کی تفسیر برسوں بیان کرسکتا ہے اور ایسی صورتیں اختلاف کا رفع ہونا جو اس کتاب کا خاص مدعا ہے ممکن نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ اختلاف کو وہی رفع فرما سکتا ہے جو اصل حقائق کتاب پر تعلیم الٰہی الہام قلبی مطلع ہو اور اس آیت کا مصداق عالم الغیب والشہادۃ لایظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول۔ خداوند عالم الغیب و عالم شہود ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر اپنے کسی برگزیدہ مصطفےٰ و مرتضیٰ رسول کو یا مرتضیٰ من الرسول کو رسول مرتضیٰ کو یا مرتضائے رسول کو پس تنزیل و تاویل تمثیل ظاہر و باطن۔ عموم و خصوص ناسخیت۔ منسوخیت۔ حد و مطلع محکم و متشابہ میں ہر شخص تمیز نہیں کرسکتا۔ یہ اگر ہوسکتا ہے تو خاصان خدا و برگزیدگان ہی کا حصہ ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اور علم غیب سے حصہ لینے والے ہی ذات غیب الغیوب کے کلام کے اسرار سے مطلع ہوسکتے ہیں۔ دوسروں کیلئے ناممکن ہے

قال القاضی ابوبکر بن العربی فی قانون التاویل ان علوم القران خمسون علماً واربعمائۃ علم وسبعۃ الاف وسبعون الف علم علی عدد کلم القران مضروبۃ فی اربعۃ اذ لکل کلمۃ ظہر و بطن وحد ومطلع وھذا مطلق دون اعتبار ترکیب وما بینہما من روابط وھذا ما لایحصی ولا یعلمہ الا اللہ۔

قاضی ابوبکر عربی نے قانون التاویل میں کہا ہے کہ اجمالاً علوم قرآن پچاس علم ہیں اور انکی تفصیل سے چار سو علم اور پھر سات ہزار علم اور پھر ستر ہزار علم یعنی کلمات قرآنی کو چار میں ضرب دینے سے جو عدد حاصل ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک کلمہ کا ظاہر و باطن و حد و مطلع ہے اور علی الاطلاق ہی بغیر ایک دوسرے کی ترکیب اور فیما بین روابط کے انکے اعتبار سے اور بھی زیادہ بنتے ہیں جنکی کوئی حد و انتہا ہی نہیں اور سوا خدا کے کوئی نہیں

جانتا پھر کون ہے جو ان تمام علوم کے ساتھ قرآنی حقائق پر احاطہ کرسکتا ہے۔ خدا جانے یا جس کو خدا بتلائے اور پڑھائے)

نہم۔ کلام اللہ حقیقت محمدیہ سے اتحاد رکھتا ہے۔ علم القرآن ذات محمدی سے وابستہ ہے اور

ذات محمدی آخر درجات نبوت میں ہے۔ انسان کامل کا مصداق حقیقی ہے۔ انسان مکونات ارضیہ کی صورت کاملہ ہے اور کتاب اللہ کی کتب کی صورت جامعہ پس حقیقت انسانیت کو حقیقت قرآنیہ کے ساتھ ایک خاص رابطہ حاصل ہے اور انسانیت کاملہ اور حقیقت کتاب اللہ کمال اتحاد کا درجہ پاتی ہے۔ بنابریں نوع انسان میں سے ہر ایک انسان کا تعلق اور رشتہ کلام اللہ و کتاب اللہ کے ساتھ جداگانہ ہوگا۔ کمالات انسانی میں سے جو انسان جس درجہ انسانیت پر فائز ہے۔ اس درجہ پر حقیقت قرآن کا ادراک رکھتا ہے۔ اور مسلم ہے کہ انسان بہ لحاظ تکمیل چار درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ انسانیت ان درجات کو شامل ہے بعض حشائش الارض اور نباتات کا درجہ رکھتے ہیں اور وہ ناقص و جاہل جنگلی عوام ہیں جن کے وجود سے صرف دوسرے وجود فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پیدا ہوئے۔ پلے بڑھے۔ اور مر گئے نہ انہوں نے اپنے وجود سے کچھ فائدہ اٹھایا اور نہ انہوں نے اپنی ہستی کو محسوس کیا۔ دوم وہ لوگ ہیں جو ذرا اس سے بالا ہیں یعنی انمیں خواہشات حیوانی پائی جاتی ہیں اور وہ خوب کھانے اور پیٹ بھرنے کو زندگی کا اصلی مقصد سمجھتے ہیں اور اسی کی انہیں فکر رہتی ہے۔ اور ان کے نزدیک یہی معنی انسانیت ہیں اول کو علم الاخلاق والے مستنبتات خودرو نباتات کہتے ہیں۔ دوسرے طبقہ انعام سے تشبیہ دیتے ہیں۔ آیت ذیل میں دونوں طبقوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اولئک کالانعام بل ہم اضل۔ انعام طبقہ دوم ہے اور اضل طبقہ اول اور انکا علم بعض محسوسات تک ہی محدود ہوتا ہے۔

سوم۔ اس سے بالا درجہ والے ہیں جو حیوانیت سے گذر کر نفسانیت کے درجہ تک پہنچتے ہیں اور ان میں علاوہ خواہشات حیوانیہ کے خواہشات نفسانیہ بھی پائی جاتی ہیں اور انکا علم محسوسات سے کچھ بالا ہوتا ہے مگر زیادہ تر موہمات و تخیلات اور تحصیل اغراض نفسانیہ کیلئے مکائد و حیل کا استعمال اسی کا نتیجہ ہے۔ خواہشات نفسانی ہی کو وہ زندگی کا اصل مقصد سمجھتے ہیں۔ اور یہی معنی انسانیت اور ان لوگوں کی تعداد اس زمانہ میں بہت زیادہ ہے۔ یہ نفس پرستی کا دور ہے اور نفس امارہ کی حکومت ظاہر و باہر ہے یہ حظوظ روحانی سے بالکل بے بہرہ ہیں بلکہ وجود روح کے منکر ہیں بلکہ حیوانیت اور انسانیت میں کوئی تمیز نہیں رکھتے ہیں۔ دونوں کا ایک درجہ سمجھتے ہیں۔ صرف دمدار اور بے دم کا فرق ہے (چہارم) وہ لوگ ہیں جو مقام نباتیت حیوانیت اور نفسانیت سے بالا ہیں۔ روحانیت کا درجہ رکھتے ہیں اور عقل سلیم اور ادراک روحانی کے زیور سے آراستہ ہیں اور جانتے ہیں کہ خواہشات حیوانیہ اور حظوظ نفسانی کے علاوہ حقیقی خوشی اور ہی شے ہے۔ اور وہ ادراک روحانی اور معرفت ربانی ہے اور اصل انسان۔ انسان روحانی ہے۔ اور کمال انسانی کمال روحانی۔ اور یہی غرض و غایت

خلقت انسانی ہے۔ یہ لوگ تعداد میں بہت ہی کم ہیں۔ انگلیوں پر گنتی کے قابل۔ بلکہ کبریت احمر کی طرح کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔ یہ خدا رسیدہ ہیں اور اخلاق خداوندی سے بحکم پیغمبری متخلق۔ تخلقوا باخلاق اللہ۔ پس اول طبقہ والے قرآن کی حقیقت ایک لکھی ہوئی کتاب حروف و نقوش کے مجموعہ سے زیادہ نہیں جانتے۔ دوم طبقہ والے صورت بلفظی تا ترقی کر سکتے ہیں تیسرے طبقہ والے معانی کے ادراک میں ادراک خواہش نفس کے مطابق تاویل کر لیتے ہیں۔ ولا یعلمون الکتاب الا امانی وہ اسی خواہشات نفسانیہ کو کتاب اللہ کہتے ہیں۔ حالانکہ کتاب اللہ ان سے کوسوں دور ہے۔ یہ ان کے نفس امارہ کی مدد سے انکے ذہن ناقص کی خود ساختہ کتاب ہے۔ نہ خدائے پاک کی نازل کردہ کتاب ارأیت الذی اتخذ الٰھہ ھواہ" کیا دیکھا تم نے اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے۔ چوتھے طبقہ والے حسب استعداد و قابلیت و کمال قرب و تخلق باخلاق الٰہی باطن کتاب اور حقیقت قرآن کے عارف ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ کتاب اللہ کی حقیقت کیا ہے پس جب تک انسان انسانیت میں کامل نہ ہو کتاب اللہ کو نہیں پہچان سکتا کہ کیا ہے اور یقیناً عالم کتاب اللہ وہی ہے انسان کامل وہی ہے۔ اور کمال انسانیت کا مقام انتہائے تخلق باخلاق اللہ اور مظہریت تامہ ہے۔ اور یہی معنی حقیقت فلسفہ ہیں۔ الفلسفۃ ھو التخلق باخلاق اللہ علماً وعملاً۔ پس ہر شخص یا ہر عالم کے لئے علم کتاب اللہ کا حصول محال ہے علم الکتاب وہ مقام ہے۔ جہاں علم کتاب اللہ۔ عالم الغیب والشہادۃ ذات کے ساتھ شاہد حق قرار پاتا ہے۔ وَفِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُقْتَدِرٍ جگہ پاتا ہے جو منتہائے قرب باریتعالیٰ کی دلیل ہے۔ کما قال اللہ عزوجل۔ قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ۔ اے ہمارے حبیب کہدے کہ تمہارے اور میرے درمیان شہادت حقانیت و صداقت کیلئے اللہ اور عالم علم الکتاب کافی ہیں اور بلاشبہ وہی شخص جو بعد رسول اللہ انسان کامل ہے۔ کتاب اللہ کا حقیقی عالم رسول اللہ کا وصی برحق خدا کا ولی مطلق مقرب بارگاہ الٰہی اور کلام اللہ الناطق ہے اور اس کے کافی ہونے کی شہادت خود خدا دے رہا ہے تصدیق نبوت کیلئے مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ کافی ہیں۔ اور جب وہ نبوت کیلئے کافی ہے تو جملہ ضروریات کیلئے کافی ہے کیونکہ نبوت جمیع مراتب انسانیہ سے بالا ہے اور ختم نبوت جملہ نبوات کی منتہاء۔ اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کتاب اللہ الناطق کافی ہے۔ فحسبنا کتاب اللہ۔ حسبنا من عندہ علم الکتاب۔ لا انہ حسبنا من عندہ الفاظ الکتاب او من فیہ الفاظ الکتاب۔

دہم۔ عرب فصاحت و بلاغت میں کمال رکھتے تھے اور اپنی زبان پر کامل دستگاہ رکھتے تھے

یہانتک کہ گویا اپنی فصاحت و زباندانی پر دعوے نبوت کرتے تھے۔ پھر عرب میں سے وہ لوگ جنکو شرف
صحبت رسول بھی حاصل تھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور کلام اللہ سنتے تھے مگر باوجود اس کے
اکثر نہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ نے کیا فرمایا اور اس کلام کا مقصد کیا ہے چنانچہ پروردگار عالم انکی نسبت
ارشاد فرماتا ہے۔ "وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ فَإِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
مَاذَا قَالَ آنِفًا" بعض وہ لوگ بھی ہیں جو تیری طرف کان لگاکر کلام سنتے ہیں۔ پھر جب تیرے پاس سے
اٹھکر باہر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے جنکو علم عطا کیا ہوا ہے کہتے ہیں کہ اس وقت رسول اللہ نے کیا فرمایا
ہم نہیں سمجھے۔ جس وقت خود عرب اور اصحاب رسول اللہ کی یہ حالت ہو کہ وہ بھی بعض یا اکثر امور نہ سمجھ سکتے
ہوں تو پھر عام علماء اسلام کیونکر قرآن کی حقیقت کلیہ سے واقف ہو سکتے ہیں چہ جائیکہ عوام کالانعام۔

یازدھم۔ قابل و مقبول و مؤثر و متأثر میں جنسیت و مناسبت ضروری ہے اور ظرف و مظروف میں
مشابہت لازم ہے۔ قرآن کلام اللہ ہے۔ قرآن نور خدا ہے اور نور و ظلمت ضدین ہیں۔ منزل اول قرآن
پاک مقام علم الٰہی ہے اور علم صفت خداوند ہے اور صفت عین ذات ہے۔ اول مقام قرآن ذات خدا ہے۔
دوم لوح محفوظ۔ سوم۔ قلب اسرافیل۔ چہارم۔ قلب جبرئیل۔ پنجم۔ قلب محمدی (ای من حیث الظاہر
والمشہور) اور بعض روایات کے مطابق منزل دوم قرآن بیت المعمور ہے اور ہر ایک منزل نور یا نورانی
ہے۔ لوح محفوظ نور ہے بیت المعمور بلاشبہ عالم نور میں ہے۔ ملائکہ نورانی ہیں۔ روح محمد نور ہے جسم محمد نور
ہے قلب محمد نور قرآن نور ہے۔ اور اس نور کا ظرف بھی نور نا ممکن ہے کہ بعد محمد کسی قلب ظلماتی میں اتر سکے
محمد اسی قرآن کے ذریعہ بندگان خدا کو ظلمت سے نور کی طرف نکالنے آیا ہے يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ
إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ۔ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ۔ ظلمت و نور جمع
نہیں ہو سکتے اور قلوب مظلمہ میں قرآن پاک جو نور ہے نہیں اتر سکتا۔ اس کیلئے قلب کا پہلے نورانی ہونا
ضروری ہے اور قلوب الناس بلاشبہ مظلم ہیں۔ اس لئے وہ عالم علم القرآن نہیں ہو سکتے۔ حقیقی عالم
القرآن وہی ہو سکتے ہیں جو خلقاً و خُلقاً نور مطلق ہوں۔

دوازدھم۔ خداوند عالم طاہر و مطہر و قدوس ہے اور اس قدوس کا کلام بھی مقدس ہے۔ اور
قلوب الناس عموماً مقدس و مطہر نہیں ہیں پس ان دلوں میں جب تک انکا تصفیہ و تزکیہ نہ ہو۔ وہ مزکی اور
مطہر نہ ہوں علم الکتاب حاصل نہیں ہو سکتا۔ من عندہ علم الکتاب کا طاہر و مطہر و مزکی و مقدس ہونا
ضروری ہے اور اس واسطے تعلیم قرآن کیلئے تزکیہ نفس لازم و ضروری و مقدم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ و
تعالی ارشاد فرماتا ہے۔ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ

الکتاب والحکمۃ الآیۃ۔ خدا نے امیین میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو ان پر آیات خدا تلاوت کرتا ہے اور انکا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت پڑھاتا ہے۔

بلا شبہ نجات آخرت، صلاح و فلاح دارین اتباع قرآن پر موقوف ہے اور اتباع قرآن کے لئے حصول علم قرآن مقدم ہے اور علم قرآن کیلئے تزکیہ نفس واجب ہے پس فلاح اسی کیلئے ہے جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰہَا وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰہَا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ اس نے فلاح پائی اور جس نے نفس کو خراب کیا اور ہلاک کیا وہ محروم و خائب نامراد رہا اور یہ مسلم ہے کہ مقام تزکیہ نفس ایک اہم مرحلہ ہے عوام تو عوام خواص کو بھی میسر نہیں یہی وہ دولت ہے جس کی تلاش میں اہل معرفت صحرا نوردی کرتے ہیں اور ریاضات شاقہ برداشت کرتے ہیں۔

بنا بریں ہر شخص یا عالم عربیت کو علم الکتاب کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ لا واللہ قطعاً محال ہے پھر کیونکر ممکن کہ یہ کہا جائے کہ ہمیں قرآن کافی ہے نہ حدیث کی ضرورت ہے نہ بیان رسول کی نہ معلم قرآن کی احتیاج ہے نہ ہادیِ دین کی ؛

حضرت صادق آل محمدؐ ارشاد فرماتے ہیں۔ مَا مِنۡ اَمۡرٍ یَخۡتَلِفُ فِیۡہِ اثۡنَانِ اِلَّا وَلَہٗ اَصۡلٌ فِی الۡکِتَابِ لٰکِنۡ لَا تَبۡلُغُہٗ عُقُوۡلُ الرِّجَالِ۔ کوئی امر ایسا نہیں ہے کہ جس میں اختلاف ہوا اور اس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو لیکن انسانی عقول اس تک پہنچ نہیں سکتی ہیں۔

بلا شک و شبہ انسانی عقول کی رسائی نہ خدا تک ہو سکتی ہے اور نہ کلام خدا تک۔ یہ معجزہ ہے اور عقول انسانی اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ مگر یہ کہ اس کا فضل و کرم کسی پر ہو اور وہ خود تعلیم دے۔ "الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان" ٥

عقل رہبر ولیک تا در او — فضل او ہیبر دترا بر او

مَنۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ الۡکِتَابِ

عنوان بالا کی بارہ دلیلیں شاہد مبین ہیں کہ حقیقت کتاب اللہ پر اطلاع پانا جملہ اسرار کتاب اللہ سے واقف ہونا کل حقائق پر اطلاع حاصل کرنا قطعاً محال ہے۔ عام علماء کو یہ مرتبہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر اس بیان کو یہیں ختم کر دیا جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہونگے کہ علم کتاب اللہ۔ کتاب اللہ ہی میں بخیل کے خزانہ کی طرح محفوظ ہے اور اس خزانۂ علم و حکمت اور معدن ایمان و عرفان سے لوگ محروم رہیں اور غرض تنزیل کتاب اللہ یعنی تعلیم علوم الٰہی مفقود ہو گئی نہیں ہم ہر ایک موقع پر اشارہ کرتے آتے ہیں اور ہمارے کلام میں ہر جگہ تشنہ مضمر ہے یعنی منقصود ہمارا ایک امر واقع ہے کہ کامل علم قرآن خاص ہرگز نفوس سے

متعلق ہے۔ اور حصول علم قرآن کیلئے خاص شرائط ہیں جن میں اکثر و بیشتر باطنی و روحانی ہیں۔ بلکہ بعض مقامات پر ہم صاف کہہ آئے ہیں کہ علم الکتاب کے عالم کون ہیں اور تصریح کر چکے ہیں کہ ایک کتاب ناطق ہے اور ایک صامت۔ صامت نقوش و خطوط کا مجموعہ۔ ناطق اس کے علم کا معدن۔ خزانہ علم الکتاب اول سینہ محمدی ہے اور وہ اول کتاب اللہ الناطق ہے اور وہی تمہارا معلم ہو کر آیا ہے۔ خدا نے اس کو پڑھایا اور وہ تم کو پڑھانے آیا ہے اور حقیقت کتاب جو ہمارے لئے کافی ہے وہ وجود محمدی ہے۔ لاریب فیہ حسبنا وجودہ المقدس۔ اور بیان کتاب اسیکا کام ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ اے حبیب ہم نے تمکو اس لئے بھیجا ہے کہ تم لوگوں سے وہ کتاب بیان کرو۔ اور اس کی تفسیر بتلاؤ جو ان کیلئے بھیجی ہے۔ پس یہ کتاب اللہ ہمیں کافی ہے لیکن غور طلب سوال یہ ہے کہ آیا بعد رسول اللہ بھی کسی مبین اور معلم کتاب اللہ کی ضرورت ہے یا بعد رسول اللہ کسی ہادی کسی مبلغ کسی مبین کسی معلم و مدرس کتاب اللہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور صرف یہ کتاب اللہ الصامت کافی ہے؟ یہ مقدمہ عقلاً باطل ہے کیونکہ ضرورت عام ہے اور علت مطلق۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک وقت تو کتاب ناطق کی ضرورت ہو۔ اور دوسرے وقت صرف کتاب صامت ہی کافی ہو۔ اگر کتاب صامت کافی ہے تو ہر وقت کافی ہے اور اگر کتاب ناطق کی ضرورت ہے تو ہر وقت ضرورت ہے اور واجب ہے۔ کہ بعد رسول اللہ بھی کتاب ناطق کا وجود ہو۔

ہاں یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعد رسول اللہ کسی معلم خاص اور مبین مخصوص کی ضرورت اسلئے نہیں ہے کہ معلم اول کی تعلیم کافی ہے۔ اس نے کتاب اللہ کو بیان کر دیا۔ اور تفسیر فرما دی۔ لہذا جو کچھ رسول اللہ نے بیان کر دیا اس کا اتباع کافی ہے اور معلم کی ضرورت نہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ خیال بھی باطل ہے۔ اول تو اس لئے کہ بعد رسول اللہ مجموعہ احادیث رسول اللہ کی شان وہی کتاب صامت کی شان ہو گئی۔ ناطق نہ رہی۔ اور جس طرح قرآن نہیں بولتا اسیطرح احادیث رسول اللہ بھی نہیں بولتیں۔ علاوہ ازیں احادیث رسول اللہ کی بھی وہی شان ہے جو آیات کتاب اللہ کی ہے۔ یعنی بعض محکم بعض متشابہ بعض ناسخ بعض منسوخ۔ بعض عام بعض خاص بعض مطلق بعض مقید علی ہذالقیاس۔

بلکہ یہاں ایک امر زیادہ ہے وہ اختلاف نسبت و اسنادِ احادیث ہے۔ کیونکہ ہزاروں بلکہ لاکھوں احادیث جھوٹی بھی ہیں۔ محمد بن اسمعیل بخاری رحمۃ اللہ اپنی صحیح کے مقدمہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے چھ لاکھ احادیث دیکھیں۔ جن میں سے یہ چھ ہزار (مع مکررات) انتخاب کی ہیں۔ گویا پانچ لاکھ چورانویں ہزار ۵۹۴۰۰۰ احادیث محدث موصوف کے نزدیک جھوٹی اور مجعول ثابت ہوئیں اور

اسی طرح حجاج بن مسلم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہم نے تقریباً بارہ لاکھ حدیثیں دیکھی ہیں۔ جن میں سے آٹھ ہزار انتخاب کی ہیں۔ باقی کل اس محدث موصوف کے نزدیک بھی جعلی ثابت ہوئیں۔

اسی پر باقی محدثین اور جامعین احادیث کا قیاس کرنا چاہیے اور اس کے علاوہ مدرک و منبع احادیث کے لحاظ سے سنی و شیعہ کی احادیث کا اختلاف دیکھنا چاہیے۔ کافی میں سولہ ہزار احادیث درج ہیں جن میں سے سوائے معدودے چند کوئی بھی صحیحین میں نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ احادیث بسلسلہ ذہبیہ اہلبیت رسول اللہ سے مروی ہیں۔ اور ان صحاح اہلسنت میں دیگر سلسلوں اور دیگر اصحاب و تابعین سے۔ چنانچہ بخاری علیہ الرحمہ اپنے مقدمہ میں جابر بن یزید جعفی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جابر کو بسلسلہ اہلبیت علیہم السلام پچاس ہزار احادیث نبوی یاد تھیں لیکن ہم نے اس سے اس لئے احادیث نہیں لیں کہ وہ اہلبیت کی رجعت کا قائل شیعہ اعتقادات کا آدمی تھا۔ یہ جابر حضرت محمد بن علی الباقر و حضرت جعفر بن محمد الصادق کے اصحاب خاص اور اصحاب سرّ اور رواۃ معتبرہ سے ہیں۔

اور اسی مقدمہ بخاری میں ابن سیرین کے ذکر میں ہے کہ کل مایروی عن علیؑ فہو کذب جو روایت و حدیث علی سے مروی ہو وہ جھوٹی سمجھی جائے۔ اسی سے اختلاف احادیث و اختلاف رواۃ اور نسب احادیث کا اندازہ لیا جاسکتا ہے۔ کیا کوئی ایسا ہے جو ان اختلافات کو دفع کردے اور ہر ایک صحیح و غیر صحیح حدیث کو پرکھدے۔ وہ کون ہے جو ایسا معیار خداوندی و معیار محمدی رکھتا ہو جس کے ساتھ کسی کو شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

طول طویل بیان کی ضرورت نہیں اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے صرف یہی کافی ہے۔ کہ باوجود ان احادیث پیغمبری کے بھی اہل اسلام میں اختلاف باقی ہے۔ حالانکہ زمانہ محمدی میں یہ اختلاف نہ تھا کیونکہ معلّم کتاب اور مبین اختلاف موجود تھا۔ اور علت وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ بعد رحلت رسول احادیث کی شان کتاب صامت کی ہے نہ ناطق کی اور رہا دہی حقیقی اور رافع اختلاف کتاب ناطق ہے۔ لہذا ضروری اور لازمی ہوا کہ ہر زمانے میں مثل رسول اللہ کتاب ناطق کا وجود ہو اور معلم کتاب اللہ اور مبین اختلاف موجود رہے۔ اور بعد رسول اللہ کتاب صامت کیلئے اس لحاظ سے کہنا کہ حسبنا کتاب اللہ موجب گمراہی ہے۔"

بعد رسول اللہ کتاب اللہ الناطق کون ہے؟

اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ صاف یہ کہنا کافی ہے کہ رسول

معیار مسلم ہے جس میں وہ شرائط موجود ہوں جو حصول علم الکتاب کیلئے ضروری ہیں۔ وہی بعد رسول
اللہ کتاب ناطق اور معلم کتاب اللہ الصامت مبین اختلاف ہے اور علم کتاب بغیر تعلیم خدائی محال ہے
اور اس تعلیم کی شرط استعداد و قابلیت نورانیت طہارت اور تزکیہ ہے۔ پس جو شخص بعد رسول
مثل رسول نور ہو طاہر و مطہر ہو مزکی و مقدس ہو اور ذات محمدی سے کمال قرب و اتصال و
اتحاد رکھتا ہو کیونکہ حقیقت کتاب اللہ اور حقیقت محمدیہ متحد ہے۔ وہی بعد رسول اللہ کتاب اللہ
الناطق کہلانے کا مستحق ہے۔ اور یہ تمام شرائط اور جملہ صفات اول بدرجہ اتم ذریت رسول اہلبیت
نبوت و رسالت میں موجود ہیں وہ نور ہیں۔ طاہر ہیں۔ معصوم و مقدس ہیں۔ رسول اللہ سے جسمانیت
و روحانیت میں اتحاد و اتصال رکھتے ہیں۔ جن میں سے اول حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں اور
تمام صوفیہ کرام۔ اہل عرفان اور محققین اسلام کے نزدیک آپکا کلام اللہ الناطق ہونا مسلم ہے اور
آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے۔ انا کلام اللہ الناطق اور معصوم اولاد علیؑ بلاشبہ علی سے ان صفات میں
اتحاد رکھتی ہے اور اس لئے وہ سب خدا کی بولتی ہوئی کتاب ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے
اپنے زمانے میں ہمارے لئے کافی ہے۔ "فحسبنا کتاب اللہ"۔

حضرت سلمانؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا۔ کُنتُ اَنَا وَعَلیٌّ نُوراً
بَینَ یَدَیِ اللّٰہِ تعالیٰ قَبلَ اَن یَخلُقَ اٰدَمَ بِاَربَعَۃِ اٰلافِ عَامٍ یعنی میں اور علیؑ حضرت
آدمؑ کی خلقت سے چار ہزار برس قبل بارگاہ خداوندی میں ایک نور تھے۔ پھر یہ نور دو جزوں میں
تقسیم ہوا اس کو امام احمد حنبل۔ عبد اللہ بن احمد حنبل۔ خوارزمی۔ ابن عساکر۔ حموینی۔ طبری اور ابن
المغازلی نے روایت کیا ہے۔ اور اپنے اپنے مسانید میں درج کیا ہے اور ابوذر غفاری سے
دیلمی نے یوں روایت کی ہے میں اور علیؑ حضرت آدم سے چار ہزار برس پہلے ایک نور سے خلق ہوئے
پھر صلب آدم سے ہم برابر منتقل ہوتے آئے اور صلب عبد المطلب میں دو جزوں میں منقسم ہوئے
پس مجھ میں نبوت آئی اور علی میں میری خلافت۔ پس نور علیؑ و نبیؐ ایک ہی ہے۔ نیز ارشاد فرمایا۔ اَنَا
وَعَلِیٌّ مِن شَجَرَۃٍ وَاحِدَۃٍ وَالنَّاسُ مِن اَشجَارٍ شَتّٰی (طبرانی۔ دیلمی۔ الحاکم۔ ابن مردویہ۔
ابن جوزی۔ ابن المغازلی) جابر بن عبد اللہ الانصاری عرض کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں
اور علیؑ ایک ہی شجرہ سے ہیں اور باقی لوگ مختلف شجروں سے۔ نیز انس بن مالک روایت کرتے
ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ خلق
کیا گیا ہے اور میں اور علیؑ ایک ہی مٹی سے خلق ہوئے ہیں

کتاب المناقب میں سبط اکبر حضرت امام حسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا میں خدا کے نور سے خلق ہوا ہوں اور میرے اہلبیت میرے نور سے خلق ہوئے ہیں۔ اور حموینی نے کتاب فرائد السمطین میں ایک حدیث نور کے آخر میں روایت کیا ہے کہ "انا و علی من نور واحد" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ فعلی منی وانا منہ پس علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ لحمہ لحمی ودمہ دمی۔ اور اس مضمون یعنی اتحاد نبی و علی واتحاد نور اہلبیت کی احادیث کتب فریقین میں من حیث المجموع پانسو احادیث سے کم نہیں ہیں اور ان سے ایک ضخیم کتاب تصنیف ہوتی ہے اور مسلم ہے کہ ذریت شخص اسی سنخ سے ہوتی ہے۔ اور نبی نور ہے تو ذریت نبی بھی نور ہے۔ وَاِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ. ذُرِّیَّۃً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ طبرانی نے جابر اور خطیب بغدادی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک نبی کی ذریت کو اس کے صلب سے بناتا ہے۔ اور میری ذریت صلب علی میں قرار دی (ینابیع المودۃ صواعق مسند امام حنبل بحار الانوار)

کتاب اللہ الصامت (قرآن پاک) سے یہ ثابت ہے کہ علاوہ رسول اللہ کچھ نفوس اور بھی ایسے ہیں جن کے سینوں میں قرآن ودیعت کیا گیا ہے۔ بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اور دوسرے مقام پر یہ ارشاد فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے برگزیدہ اور چنے ہوئے منتخب بندوں کو بنایا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قبیلہ قریش تمام قبائل میں برگزیدہ ہے اور آل ہاشم تمام قریش میں اور ذریت نبی اہلبیت نبی تمام بنی ہاشم میں برگزیدہ و منتخب ہیں اور اس کی تصریح کتب فریقین میں موجود ہے۔ عن واثلہ قال قال رسول اللہ ان اللہ اصطفٰی بنی کنانہ من بنی اسمٰعیل واصطفٰی من بنی کنانۃ قریشا ثم اصطفٰی من قریش بنی ھاشم (المسلم الترمذی) وعن عائشۃ قال جبرئیل حملت الارض مشارقھا ومغاربھا فلم اجد بنی اب افضل من بنی ھاشم۔

اور احادیث نور نبی ذریت نبی کے برگزیدہ مصطفٰے اور منتخب اور منتخب ہونے پر بالصراحۃ دال ہیں اور بلاشبہ وہ وارث کتاب ہیں۔ علم نور ہے۔ روح نبی نور ہے علم القرآن روح نبی کے ساتھ بلکہ دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ اور نور نبی وعلیؑ واہل بیتؑ ایک ہے۔ اور نبی کتاب ناطق لہٰذا بلاشک وشبہ علیؑ واولاد علیؑ کتاب اللہ الناطق ہیں +

اپنے اپنے وقت اور زمانے میں سب خدا کی بولتی ہوئی کتاب ہیں۔ قرآن و اہلبیت رسالت توام ہیں۔ اور جس طرح روح کا جسم سے جدا ہونا محال ہے۔ اسیطرح قرآن کا اہلبیت سے جدا ہونا محال ہے کتاب اور من عندہ علم الکتاب (عالم کتاب) ساتھ ساتھ ہیں۔ اہلبیت تالی قرآن اور ثانی ثقلین ہیں اور کتاب اللہ اہل ایمان کیلئے اہل بیت ہی کے ساتھ کافی ہو سکتی ہے۔ وحسبنا کتاب اللہ لاریب فیہ۔

قال رسول اللہ انی اوشك ان ادعی وانی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض و عترتی اهلبیتی وان اللطیف الخبیر اخبرنی انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا بما تخلفونی فیهما قریب ہے کہ میں بارگاہ الٰہی میں بلایا جاؤں اور میری موت واقع ہو۔ تم میں دو بزرگ چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب خدا قرآن، جو گویا ایک رسی ہے۔ جس کا ایک سرا تمہارے پاس ہے دوسرا دست قدرت میں اور دوسری چیز میری عترت میرے اہلبیت ہیں اور مجھکو خداوند لطیف و خبیر و علیم و حکیم نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں (قرآن و اہل بیت) ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں پس خیال رکھو کہ میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو (صواعق)

وفی روایۃ (قال فی مرض موتہ) ایها الناس یوشك ان اقبض قبضا سریعا فتنطلقوا بی وقد قدمت الیکم القول معذرۃ الیکم الا انی مخلف فیکم کتاب ربی عزوجل و عترتی اهل بیتی ثم اخذ بید علی فرفعها وقال فهذا علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض فاسئلوه۔

ایضاً۔ اخرج الطبرانی فی الاوسط۔ علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتے یردا علی الحوض۔

وعن ابن واثلہ وعن ابی ذر الغفاری قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الحق مع علی۔ ایضاً ان علی مع الحق والحق معہ لن یزول حتی یردا علی الحوض۔ عن ام سلمہ۔ کان علی مع الحق من اتبعہ اتبع الحق۔ بیشک قرآن حق ہے۔ قرآن علی کے ساتھ اور علی قرآن کے ساتھ۔ پس حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ۔ جس نے علی کی پیروی کی اس نے حق کی پیروی کی نہ اہل بیت رسالت سے قرآن جدا ہو سکتا ہے۔ اور نہ قرآن سے یہ جدا ہو سکتے ہیں۔

ایضاً۔ خطبہ غدیر میں آنحضرت (صلعم) نے ارشاد فرمایا یا ایها الناس انی فرطکم

وانتم واردون علی الحوض الا وانی سائلکم حین تردون علیّ عن الثقلین فانظروا کیف تخلفونی فیھما حتی تلقونی قالوا وما الثقلان یا رسول اللہ قال الثقل الاکبر کتاب اللہ حبل طرفہ بید اللہ وطرفہ فی ایدیکم فاستمسکوا بہ لاتضلوا ولا تزلوا والثقل الاصغر عترتی اھل بیتی وقد نبانی اللطیف الخبیر انھما لن یفترقا حتی یاتیانی وسألت اللہ لھما ذلک فاعطانیہ فلاتسبقوھم ولا تقصروا عنھم فتھلکوا ولاتعلموھم فانھم اعلم منکم۔ یا معشر الناس میں تم سے پہلے حوض کوثر پر پہنچونگا اور تم وہاں میرے پاس وارد ہوگے۔ خبردار رہو کہ میں اس وقت تم سے ثقلین کی بابت سوال کرونگا پس دھیان رکھو کہ تم میرے پیچھے ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔ عرض کیا یا رسول اللہ ثقلین سے آپ کی کیا مراد ہے۔ فرمایا ثقل اکبر تو خدا کی کتاب (قرآن) ہے جس کا ایک سرا گویا تمہارے ہاتھ میں ہے اور ایک خدا کے ہاتھ میں۔ وہی خدا اور اس کے بندوں میں رابطہ وواسطہ ہے پس اس سے تمسک کرو گمراہ نہ ہوگے اور تمہارے قدم لغزش نہ کھائینگے۔ اور ثقل صغر میری عترت میرے اہل بیت ہیں۔ اور خدائے لطیف وخبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے تاوقتیکہ میرے پاس پہنچ جائیں اور میں نے اللہ تعالیٰ سے ان کیلئے دعا کی ہے۔ اور خدا نے میری دعا قبول کرلی ہے پس تم ان پر سبقت نہ کرو اور ان سے پیچھے بھی نہ ہو ورنہ ہلاک ہوگے اور ان کو نہ پڑھاؤ کہ تم سے زیادہ عالم ہیں۔

عن سلیم بن قیس الھلالی قال امیر المومنین ع ان اللہ تبارک وتعالے طھرنا وعلمنا وجعلنا شھداء علی خلقہ وحجتنا فی ارضہ وجعلنا مع القرآن وجعل القرآن معنا لانفارقہ ولایفارقنا۔ یعنی حضرت علی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم اہل بیت رسالت و عترت نبی کو طاہر وپاک بنایا ہے ہمیں معصوم قرار دیا ہے۔ اور ہمیں اپنی مخلوق پر شہدا اور زمین میں حجت قرار دیا ہے اور ہمیں قرآن کے ساتھ رکھا ہے اور قرآن کو ہمارے ساتھ نہ وہ ہم سے جدا ہوگا اور نہ ہم اس سے۔

قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاشر الناس تدبروا القرآن وافھموا آیاتہ وانظروا الی محکماتہ ولاتتبعوا المتشابھات فواللہ لن یبینن لکم

حضرت ارشاد فرماتے ہیں لوگو قرآن میں تدبر کرو اور اس کی آیات کو سمجھنے کی کوشش کرو اسکے محکمات پر نظر ڈالو اور متشابہات کے پیچھے نہ پڑو خدا کی قسم اس کے اوامر ونواہی تم سے کوئی

زواجرہ ولا یوضح لکم تفسیرہ الا الذی
انا اخذ بیدہ ومصعد الیہ شائد
بعضدہ ومعلمکم انہ من کنت مولاہ
فہذا علی مولاہ وھو علی ابن ابی طالب
اخی ووصی وموالاتہ من اللہ عزو
انزلھا علی. معاشر الناس انی وعلیاً
والطیبین من صلبی ھم الثقل الاصغر
والقرآن الثقل الاکبر وکل واحد
مبنی علی صاحبہ موافق لہ لن یتفرقا
حتی یردا علی الحوض. امناء اللہ فی
خلقہ وکلمائہ فی ارضہ الاقد
ادیتُ الاقد اسمعتُ الاقد اوضحت
وان اللہ عزوجل قال وانا قلت عن
اللہ عزوجل.

بیان نہیں کر سکتا۔ اور اس کی تفسیر تمہیں کوئی واضح
نہیں کر سکتا سوائے اس کے جس کا میں ہاتھ پکڑے
ہوئے ہوں اور اس کو بلند کر رہا ہوں اور اس کے
بازو پکڑ کے اٹھا رہا ہوں اور تمہیں بتلا رہا ہوں
کہ جس کا میں آقا اور مولا ہوں تو یہ علی بھی اس کا
مولا و آقا ہے اور یہ علی ابن ابی طالب ہے میرا
بھائی میرا وصی ہے اور اسکی ولایت خدائے عزو
جل نے مجھ پر نازل کی ہے۔ لوگو! علی اور میری اولاد
کے طاہرین ثقل اصغر ہیں اور قرآن ثقل اکبر اور ہر
ایک دوسرے پر موقوف مبنی اور موافق۔ یہ
دونو ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ تا اینکہ
حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔ یہ خدائی مخلوق میں اس
کے امین اور اس کی زمین میں اسکی طرف سے حاکم و
والی ہیں۔ آگاہ رہو کہ میں نے حق ادا کر دیا۔ خبردار میں
نے سنا دیا۔ ہوشیار میں نے حق کو واضح کر دیا۔ خدائے عزوجل نے یہ کہا۔ اور میں نے اسکی طرف سے تمکو کہدیا۔

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ علم لوگوں میں پانچ حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ چار حصے علی کے ہیں
اور پانچواں حصہ علم لوگوں میں منقسم ہے اور اس میں بھی علی سب سے اعلم ہیں۔ استیعاب ابن عبدالبر میں ہے کہ علم کے
دس حصے ہیں۔ نو حصے علی کے ہیں اور ایک باقی لوگوں کا۔ اور علی اس میں شریک ہیں۔ حضرت سبط اکبر بیان کرتے
ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا علی ابن ابی طالب اَعْلَمُ النَّاسِ بِاللّٰہِ وَاَعْظَمُ النَّاسِ حُبًّا وَتَعْظِیْمًا
لِاَھْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِنَّکَ اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ
مَعِیَ اِیْمَانًا وَاَعْلَمُھُمْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَاَوْفٰھُمْ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَرْءَفُھُمْ بِالرَّعِیَّۃِ وَاَقْسَمُھُمْ
بِالسَّوِیَّۃِ وَاَعْظَمُھُمْ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یعنی اے علی تم محمد پر سب سے پہلے ایمان لانے والے ہو
اور آیات قرآن کے سب سے بڑے عالم اور عہد خدا کو سب سے زیادہ وفا کرنے والے۔ رعیت پر سب سے
زیادہ مہربان اور سب سے بڑھکر تقسیم اموال میں عادل اور خدا کے نزدیک سب سے معظم تر۔ یہاں تک حضرت
ابی بکر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ علی کو مجھ سے وہی نسبت ہے

جو مجھکو خدا سے ہے۔ خلاصہ مدعا یہ ہے کہ قرآن کا علم کلی ہر فرد و بشر کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ خاصان خدا کو ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور بعد رسول اللہ اہلبیت نبی جو عترت رسول اور آپ کی ذریت و اولاد ہیں سب سے بڑھکر عالم قرآن حقیقی معلم قرآن تالی قرآن ثانی ثقلین ہیں یہی اسکی تاویل تنزیل تمثیل۔ ظاہر۔ باطن۔ ناسخ و منسوخ۔ عام و خاص۔ مطلق و مقید سے واقف ہیں۔ یہی جانتے ہیں کہ کونسی آیت کس وقت کس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس کی تاویل و تعبیر کیا ہے۔ قرآن انکے ساتھ اور یہ قرآن کے ساتھ ہیں۔ اور ہر زمانے میں قرآن صامت کے ساتھ قرآن ناطق کی ضرورت ہے۔ ان معلمین قرآن میں سے ایک عالم ہمیشہ ہر زمانے میں موجود ہے۔ وہی مدرس قرآن اور رافع اختلاف معیار حق و باطل ہمیزان صدق و کذب ہوتا ہے چنانچہ صاحب صواعق اسی مضمون کو روایت کرتے ہیں۔ قال رسول اللہ فی کل خلف من امتی عدول من اھل بیتی ینفون عن ھذا الدین تحریف الضالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین۔ نبی فرماتے ہیں کہ میری امت کی ہر ایک نسل اور ہر زمانے میں میرے اہلبیت میں بعض عالم اور عادل موجود رہینگے جو ہمارے دین سے گمراہوں کی تحریفات اور باطل پرستوں کی رخنہ اندازی اور جاہلوں کی تاویلات بے جا کو دور کرتے رہینگے اور حق کو باطل سے جدا دکھائینگے۔

یہ حدیث فریقین میں مسلم ہے اور اہلبیت کے عالم قرآن معلم قرآن۔ تالی قرآن ثانی ثقلین ہونے اور قرآن کیساتھ معیت تامہ بلکہ اتحاد رکھنے کی احادیث فریقین میں اس کثرت سے مروی ہیں کہ ایک ضخیم کتاب بھی ان کے جمع کرنیکے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ رسالہ بھی گنجائش نہیں رکھتا۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔ ہاں ان میں سے بہت سی باتوں کی تفسیر ہماری کشف الاسرار۔ الصراط السوی۔ خلافت الٰہیہ۔ میزان حق اور رسالہ اہلبیت میں مل سکتی ہے اور آخر الذکر میں تحقیق اہل بیت میں کافی بحث کیگئی ہے۔ اور اسلئے یہاں اسپر زیادہ روشنی نہیں ڈالی گئی اور ان احادیث ثقلین میں قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ کہ اس بحث کو چھیڑا جائے علمائے سلف میں مسلم اور انہیں احادیث میں تصریح ہے کہ اہلبیت رسالت علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنینؑ اور ان کی اولاد کے ائمہ معصومین ہیں اور بیشمار اہل سنت و شیعہ نے اس کی تصریح کی ہے اور یہاں صرف لفظ عترت اسکی تفسیر کو کافی ہے۔ جو ہر جگہ موجود ہے کیونکہ اگر لفظ اہل بیت میں تاویل کی گنجائش ہے تو لفظ عترت اس کی تشریح بالکل کر دیتا ہے۔ کیونکہ عترت و ذریت میں ازواج۔ دیگر افراد امت اور معتقدین و ماموین ہرگز داخل و شامل نہیں ہو سکتے رسالہ اہل بیت میں اس کی پوری بحث آچکی ہے) +

ثعلبی وابن المغازلی نے عبداللہ بن عطا اور محمد بن الحنیفہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ من عندہ علم الکتاب کے مصداق علی ابن ابی طالب ہیں اور حضرت محمد بن علی بن الحسین سے مروی ہے کہ من عندہ علم الکتاب سے مراد علی ہیں اور وہ اس امت کے عالم ہیں۔ اور ایک روایت ہے کہ اس آیت سے ہم ہی مراد ہیں اور علی ہم سب سے افضل اور بعد نبی سب سے بہتر ہیں اور خود جناب امیر فرماتے ہیں کہ جو کچھ علم آدم پر نازل ہوا۔ اور جو کچھ دیگر انبیاء کو مع حضرت خاتم النبیین دیا گیا۔ وہ سب عترت نبی ہیں بوراثت باطنی آیا۔ اور صادق آل محمد فرماتے ہیں کہ کل علم الکتاب ہمارے پاس ہے اور جو کچھ آصف برخیا وزیر حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کو دیا گیا تھا وہ اسم اعظم الہٰی کا ایک حرف تھا۔ اور بعض کتاب کا علم ان کو حاصل تھا نہ کل کتاب کا اور علیؑ کو کل کتاب کا علم حاصل تھا۔ وقال تبارک وتعالےٰ لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ وایضاً کل شیئ احصیناہ فی امام مبین۔ کل علم کتاب مبین میں ہے اور کتاب مبین علیؑ میں ہے اور کل علم امام مبین میں ہے اور علیؑ امام مبین وخلیفہ رب العالمین وایتہ فی العالمین وحجتہ علی اھل السموات والارضین۔

ابو سعید الخدری نے جناب رسول اللہ سے یہی روایت کی ہے کہ کل کتاب کا علم علی کے پاس ہے اور من عندہ علم الکتاب کا مصداق علی ہی ہے۔ ولذا قال صلے اللہ علیہ والہ وسلم۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا فمن اراد العلم فلیات الباب۔ یعنی رسول مقبول فرماتے ہیں کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اسکا دروازہ ہے۔ جو شخص علم چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ باب علم کے پاس آئے (صواعق۔ ینابیع۔ ترمذی) وانا دار الحکمۃ وعلی بابھا میں خانہ حکمت ہوں اور علی باب الحکمت۔

اس بیان کے بعض نتائج

اوّل اہل بیت رسالت جملہ اوصاف خاصہ نبیؐ مثل نورنیت روحانیت۔ طہارت عصمت عفت علم وحکمت کے جامع ہیں

دوم۔ کامل علم الکتاب انہیں کے پاس ہے۔

سوم۔ رسول اللہ نے حکم دیا ہے کہ جو شخص میرا علم چاہتا ہے وہ انہیں سے حاصل کرے۔

چھارم۔ یہ تالی کتاب اللہ وثانی ثقلین ہیں۔

پنجم۔ یہ کتاب اللہ الناطق ہیں "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین وکل شیئ

ششم۔ قرآن اُن سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ قرآن سے کبھی جدا نہیں ہو سکتے۔

ہفتم۔ قرآن کا علم حقیقی انہیں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اُنکو چھوڑ کر علم الکتاب کا حاصل ہونا محال ہے +

ہشتم۔ علیؑ کے سوا کسی صحابی نے یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ سلونی قبل ان تفقدونی فانی اعلم بطرق السمٰوات من طرق الارض (صواعق ۔ مطالب السئول) علیؑ کے سوا کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکا کہ اگر میرے لئے مسند بچھائی جائے اور پھر میں اس پر بیٹھوں تو اہل توریت میں توریت سے فیصلہ کروں اور اہل انجیل میں انجیل سے اور اہل زبور میں زبور سے اور اہل فرقان میں فرقان سے۔ خدا کی قسم کوئی آیت کتاب اللہ ایسی نہیں ہے کہ جو خشکی میں تری میں ۔ میدان میں کوہستان میں ۔ زمین میں آسمان میں رات میں دن میں نازل ہوئی ہو ۔ مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہ کس کی شان میں نازل ہوئی کس باب میں نازل ہوئی علیؑ کے سوا کوئی یہ مرتبہ علمی نہیں رکھتا کہ تمام شب سورۂ بسم اللہ کی تفسیر عبداللہ ابن عباس سے بیان کی اور ان کے تعجب پر فرمایا ۔ لو شئت لا وقرت سبعین بعیراً من تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اگر میں چاہوں تو بسم اللہ کی تفسیر سے ایک اونٹ لادوں (بلکہ چالیس اونٹ بنابر روایت دیگر) مطالب السئول ۔ ینابیع ۔ مسند احمد بن حنبل)

نہم۔ دیگر اصحاب کبار کو رسول اللہ کی روایت پہنچی ہے اور حضرت علیؑ کو علم وراثتی اور اس لئے ہر ایک صحابی یہ کہتا ہے سمعت عن رسول اللہ ۔ قال رسول اللہ ۔ رویت عن رسول اللہ ۔ روی عن رسول اللہ ۔ کوئی شخص کوئی صحابی کوئی تابعی یہ نہیں کہتا علمنی رسول اللہ سوائے علیؑ ابن ابیطالب کے کہ وہ کہتے ہیں علمنی رسول اللہ الف باب من العلم یفتح من کل باب الف باب مجھکو رسول اللہ نے ایسے ہزار باب تعلیم دئے ہیں کہ ہر ایک باب سے ہزار ہزار ابواب علم منکشف ہوتے ہیں ۔

دہم۔ جملہ اصحاب رسول اللہ حضرت علی سے استفادہ علم فرماتے تھے اور ہر ایک معاملہ قضیہ اور ہر ایک مشکل مسئلہ میں حضرت علیؑ یاد آتے تھے اور بار بار حضرت عمر ابن الخطاب جیسے صحابی لولا علی لھلک عمر فرماتے تھے کبھی کہتے تھے ۔ معضلۃ ولیس لھا ابوالحسنؑ مشکل پیش ہے اور ابوالحسنؑ اس وقت موجود نہیں ہیں ۔ وعلی ھذا القیاس ۔

خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ اے رسول بعض اشخاص تیرے پاس آکر کلام سنتے ہیں جب باہر نکل کر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے جن کو علم عطا کیا ہے پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ نے ابھی کیا فرمایا ۔ ماذا قال آنفا +

یازدھم۔ باوجود اس اختلاف کے بھی اکثر وبیشتر محققین اسلام وعلمائے کرام اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ جملہ علوم عربیہ واسلامیہ مثل صرف۔ نحو۔ معانی۔ بیان۔ بدیع۔ قرأت۔ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ کلام علم الفرائض۔ علم الشعر۔ علم الکتاب۔ علم تعبیر رویا۔ علم النجوم۔ علم الھیئت۔ علم الحکمت۔ علم الجفر۔ علم الحساب۔ علم الھندسہ۔ علم الکیمیا۔ علم القرآن۔ علم صحف انبیاء کا منبع وسرچشمہ علیؑ باب علوم محمدیؐ ہے۔ بلکہ یہ علوم مذکورہ علم الکتاب کے مقابلہ میں سمندر میں سے قطرہ کی مثال ہیں۔ اور ہماری طاقت سے باہر ہے کہ ہم ان علوم کا شمار کرسکیں جو علی کے سینے میں قدرت نے ودیعت کئے تھے۔ اسی واسطے محی الدین عربی اپنے درود میں فرماتے ہیں۔ مادۃ العلوم الغیر المتناھیۃ حقیقۃ النقطۃ البائیہ۔ یعنی علیؑ لا متناہی علم کا مادہ ومنبع اور نقطہ باء کی حقیقت ہے۔ اس کی تشریح وتصریح ہماری خلافت الٰھیہ حصہ سوم میں ملاحظہ ہو (اور صاحب مطالب السؤل۔ صاحب فصل الخطاب کا بیان بلاغت عنوان)

دوازدھم۔ اصل مقصود خلقت انسان تحصیل قرب الٰہی ہے۔ اور قرب معبود بغیر عبادت محال ہے اور عبادت بغیر معرفت ناممکن ہے اور علم معرفت وحقیقت باتفاق عارفین وصوفیہ کرام حضرت علی کی طرف منسوب ہے اور ہر ایک عارف نے اسی باب علم وحکمت نبی سے پایا ہے اور اس ذات مقدس نے ایک ایک خطبہ توحید میں عرفان کے دریا بہائے ہیں پس اس بزرگ کی اطاعت ومتابعت عین ایمان عین صراط مستقیم عین اتباع حق۔ عین اتباع قرآن۔ یقیناً نجات دہندہ ہے۔ جس نے اس کے آستانے پر سر جھکایا۔ سب سے سربلند ہوا اور بہشت بریں میں پہنچا۔ نہیں بلکہ قرب باریتعالیٰ اُسے حاصل ہوگیا۔

"جو علیؑ ملے تو نبیؐ ملے جو نبیؐ ملے تو خدا ملے"

اختلاف میں نجات اسی معیار حق وباطل میزان صدق وکذب سے مل سکتی ہے۔ حموینی نے علقمہ واسود سے روایت کی ہے۔ وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ ہم ابو ایوب انصاری کے گھر گئے اور ان سے کہا۔ کہ اے ابو ایوب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو شرف وکرامت عطا کیا اور تم کو اس کی فضیلت سے خالص اور صاف حصہ ملا کہ تم میزبان نبیؐ بنے۔ تم بتلاؤ کہ تم علیؑ کے ساتھ ہو کر ان کے مخالف اہل قبیلہ سے کیوں لڑے۔ آپ نے فرمایا میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ رسول اللہ میرے اسی گھر میں تھے جس میں اب تم ہو اور علیؑ آپ کی دائیں جانب بیٹھے تھے اور میں بائیں جانب اور انس آپ کے سامنے۔ اور گھر میں اس وقت ہمارے سوا کوئی نہ تھا۔ کہ ناگاہ کسی نے دق الباب کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ انس جاؤ۔ عمار کیلئے دروازہ کھولو انس نے دروازہ کھولا۔ عمار داخل ہوئے۔ رسول اللہ کو سلام کیا۔ آپ نے جواب سلام دیا اور مرحبا

اور ایک دوسرے کو قتل کرینگے اور ایک دوسرے سے بیزار ہونگے اور تبرا کرینگے پس جب یہ حالت دیکھو تو تم پر لازم ہے کہ اس اصلع (علی) کے ساتھ ہو اور اس سے تمسک کرو جو میرے دائیں طرف بیٹھا ہوا ہے پس کل انسان ایک وادی میں جائیں اور علی تنہا ایک وادی میں تم تو بھی اس وادی میں جا جہاں علی جائے۔ اور اسی راہ پر چل جس پر علیؑ چلے اور ان عام لوگوں سے علیحدہ ہو جا اور انہیں چھوڑ دے۔ اے عمار علیؑ تجھ کو کبھی ہدایت اور صراط مستقیم سے نہ موڑیگا۔ اور تجھے ہلاکت میں نہ ڈالیگا۔ اے عمار علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے اور میری اطاعت خدا کی اطاعت ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ پس علی کی اطاعت عین اطاعت خدا ہے۔ وکفیٰ بہ فضلا۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر انا ھدینہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً۔

چونکہ بعد رسول اللہ علم الکتاب عترت رسول سے وابستہ ہے اور ہدایت خلق انکا فریضہ حق ان کے ساتھ ہے اور یہ حق کے ساتھ۔ انہیں کی اطاعت و محبت سے نجات مل سکتی ہے۔ اسی واسطے خدا نے ان کی محبت و مودّت فرض کی اور اس کو اجر رسالت قرار دیا۔ تاکہ امت بعد رسول اللہ گمراہ نہ ہو۔ اختلاف میں نہ پڑے اور صاف فرمایا کہ ماسئلتکم من اجر فھو لکم اے مسلمانو میں نے تم سے جو بحکم خدا اجر رسالت طلب کیا ہے وہ اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے ہی فائدے اور تمہارے ہی نجات کے واسطے ہے۔ وما اسئلکم علیہ اجراً الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا۔ اور میں تم سے اجر طلب نہیں کرتا۔ مگر یہ صرف اس لئے ہے کہ جس کا دل چاہے وہ اپنے پروردگار کی راہ اس ذریعہ سے حاصل کرے اور فرمایا مثل اھل بیتی کسفینۃ نوح من رکبھا نجی ومن تخلف عنھا غرق وھوی۔ میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے۔ جو اس کشتی میں سوار ہو گیا۔ نجات پا گیا۔ جو سوار نہ ہوا ہٹ رہا۔ ہلاک ہوا اور فرمایا۔ النجوم امان لاھل السماء واھل بیتی امان لاھل الارض۔ ستارے اہل آسمان کیلئے امان ہیں اور میرے اہل بیت اہل زمین کیلئے امان ہیں (صواعق ینابیع مطالب السئول) اور کتاب اللہ ان کے معیت کے ساتھ کافی ہے۔

تین اعتراض

ہمارے اس بیان پر تین شبہات یا اعتراض کئے جا سکتے ہیں اور اکثر کئے بھی جاتے ہیں:۔

اول۔ یہ کہ اگر قرآن ایسی مشکل کتاب ہے کہ کوئی اس کو سمجھ ہی نہیں سکتا تو پھر ایسی کتاب سے امت محمدی کو کیا فائدہ؟ جب ہم نہیں سمجھ سکتے تو ہمارے لئے کیوں بھیجی گئی۔ ہمیں کیوں دیگئی؟ اور پھر اسکی

سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام مسلمانوں کو عالم بنانا نہیں چاہتا بلکہ جاہل رکھنا چاہتا ہے اور ایسا مذہب غالباً عقل و فطرت انسان دونوں کے منافی ہے۔

دوم۔ اگر ہم قرآن کو سمجھ نہیں سکتے تو پھر جابجا قرآن پاک میں یہ کیوں حکم دیا ہے۔ "افلا تعقلون افلا تذکرون۔ افلا یتدبرون القرآن۔ ام علی قلوب اقفالھا" قرآن میں غور و خوض تامل نہ کرنیوالوں اور عقل و فہم سے کام نہ لینے والوں کی سخت مذمت کیگئی ہے۔ اگر قرآن ایسا ہی ہوتا جیساکہ ثابت کیا گیا ہے تو اس کا حکم نہ ہوتا اور نہ سمجھنے پر سرزنش اور توبیخ نہ کی جاتی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہم قرآن کو سمجھ سکتے ہیں۔

سوم۔ قرآن پاک کا دعوے ہے کہ وہ نہایت سہل و آسان ہے اور شریعت بھی ہماری شریعت سہلہ مشہور ہے چنانچہ فرماتا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ ہم نے قرآن کو آسان اور سہل کر دیا ہے تو کیا کوئی سمجھنے والا ہے؟ اور فی الحقیقت ایسا ہی ہے۔ ہر ایک عربی دان ضرور قرآن کو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم ان کے اصلی جواب دیں اس قرآن فہمی کے دعوے کی نسبت اول یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص بغیر وضو نماز پڑھنے لگا۔ ایک ملّانے ٹوکا اور کہا "بغیر وضو نماز نمی شود" تو نمازی نے برجستہ جواب دیا کہ بارہا کردیم و شد۔ تم کیسے کہتے ہو کہ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی۔ ہم نے اکثر بغیر وضو کے پڑھی ہے اور ہوگئی ہے پس جس طرح اس ایرانی کی نماز ہوگئی۔ ایسے ہی قرآن بھی سمجھ میں آگیا اور اسی سمجھ کا نتیجہ ہے کہ قرآن کے پیروؤں میں نئے نئے مذہب ایجاد ہوتے ہیں۔ نئے نئے فتوے نکلتے ہیں۔ اس قرآن فہمی پر رات و دن آپس میں جوتی پیزار ہوتی رہتی ہے اسی کی بدولت شب و روز مسلمانوں کے کفر کے فتوے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اسی قرآن فہمی اور تفسیر و ترجمہ ہائے قرآنی کے بدولت آج مشرکین کافرین و ملحدین مسلمانوں کا ناطقہ بند کر دیتے ہیں انہیں تفسیروں اور علماء کے اقوال سے قرآن پر ہزارہا اعتراض کرتے ہیں اور وہ سب لاجواب ہوتے ہیں۔ اسی قرآن فہمی کی وجہ سے آج مسلمان ہر علم میں دوسروں کے دست نگر دکھلائی دیتے ہیں حالانکہ دعوے یہ ہے کہ "حسبنا کتاب اللہ" اور کتاب اللہ بلاشبہ جمیع علوم و فنون کا سرچشمہ ہے اور جملہ اسرار فطرت اور حقائق خلقت کا خزانہ ہے۔ اسی قرآن فہمی کا یہ نتیجہ ہے کہ توحید سے لیکر حدود تک کوئی مسئلہ اصول و فروع کا ایسا نہیں ہے جس میں اختلاف نہ ہو۔ خود خدا کی صفات اور

حالانکہ قرآن پاک جس توحید کو لایا ہے وہ ابتدائے آفرینش سے کوئی پیغمبر نہیں لایا اور نہ کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں وہ توحید ہے جہاں ملائکہ مقربین بھی حیران ہیں پس یہی باعث ہے کہ آج مسلمان تباہ ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ نہ کوئی مرکزیت اور نہ کوئی جمعیت۔ تمام فرق اسلامی کے عقائد و اعمال کو پیش نظر رکھو تو (خاکم بدہنم) اسلام ضوء بے تمیز نظر آتا ہے کہ قرآن کا صحیح علم انکو حاصل نہیں کیونکہ معلم قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔

جواب از اعتراض اوّل

جو کچھ ہم نے قرآن فہمی کے متعلق شروع میں ثابت کیا ہے وہ اسی پہلے شبہ کا جواب ہے۔ لہٰذا ان براہین قاطعہ کے مقابلہ میں یہ شبہ ھباءً منثوراً ہے۔ وقدمنا الی ما عملوا فجعلناہ ھباءً منثوراً۔

دوم۔ ہم نے کہیں یہ نہیں کہا کہ علم القرآن قطعاً محال ہے اور کسی کو کسی طرح حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ تعلیم قرآن کیلئے ایک معلم ربانی کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہر ایک درجہ اور جماعت میں جو کتابیں مقرر کی جاتی ہیں وہ یقیناً اس عمر میں اس جماعت کی تعلیم کیلئے کافی ہوتی ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ طلبہ استاد معلم سے مستغنی ہیں پس قرآن کافی ہے۔ قرآن میں عام علوم ہیں۔ اور قرآن آیا ہی تو اپنا معلم اور استاد ساتھ لایا ہے۔ وبعث فی الاُمّیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین جب معلم موجود ہے تو پھر کیا اعتراض ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ کتاب صرف ہماری ہدایت کیلئے آئی ہے۔ کتاب رسول اللہ پر نازل ہوئی ہے۔ نہ ہم پر۔ کتاب رسول اللہ کو دی گئی ہے۔ نہ ہم کو کتاب دیکر اس کو بھیجا ہے کہ جا اس کتاب سے انکی ہدایت و راہنمائی فرما۔ ان کی تعلیم و تربیت کر دو۔ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ اوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ۔ "مجھ کو یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ میں اس کے ساتھ تمہاری ہدایت کروں اور جس کو یہ قرآن میرے بعد پہنچے جو اس کا وارث حقیقی ہو۔ وہ بھی اسی سے ہدایت کرے۔

سوم۔ ہمارا مقصود یہ نہیں ہے کہ کوئی شمہ اور کوئی درجہ بھی علم القرآن کا کسی غیر رسولؐ و امام کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہم نے حقیقت علم القرآن کی نفی کی ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ غیر عالم ربانی اس کی حقیقت پر احاطہ تامہ پیدا نہیں کر سکتا۔ نیز یہ کہ قرآن کا علم صرف علوم ظاہریہ عربیہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ علم القرآن کیلئے خاص شرائط باطنیہ کی ضرورت ہے۔ اور یہ کہ قرآن حقیقت کاملہ انسانیہ سے اتحاد رکھتا ہے پس جو شخص جس قدر انسانیت میں بڑھتا جائیگا۔ اسی قدر علم القرآن سے حصہ

حاصل کرتا جائیگا اور انسان کامل عالم کامل ہوگا۔ اور رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ اور حکماء و عرفاء کا مسلمہ ہے کہ الفلسفۃ ھو الاتصاف باوصاف اللہ والتخلق باخلاق اللہ علماً و عملاً پس انسان کامل مظہر جامع جمیع صفات کمالیہ ہوتا ہے وھو نبیاً و وصیہ (شرح کبریت احمر) وہ انسان کامل ہمارا پیغمبر اور اسکا وصی علی ہے جو ولی مطلق پروردگار عالمین ہے اور جو اس کے درجے میں ہوں یعنی آئمہ معصومین عترت رسول۔ اور تحصیل علم القرآن کیلئے علماء کاملین محققین و متالہین نے حسب ذیل شرطیں قرار دی ہیں۔

شرائط فہم القرآن

اول فہم عظمت الکلام۔ یہ خدائے قہار و جبار ذو الجلال و الاکرام کا کلام ہے جب تک کہ اس کی عظمت حقیقی کو قلب انسانی پوری طور پر محسوس نہ کریگا۔ اس کا قلب اس قابل نہ ہوگا کہ حقائق قرآن اس کے دل میں اتر سکیں۔ یعنے عظمت اس کو تفسیر بالرائی سے مانع ہوگی عظمت اس کو بیجا تاویلات سے روکیگی اور ہر ایک آیت پر اس کے معانی میں غور و خوض کرتے ہوئے کانپ اٹھیگا۔ اور ہر مقام پر خشیۃ اللہ کا غلبہ ہوگا۔" وانما یخشی اللہ من عبادہ العلماء"۔ یہی علماء کی حقیقی صفت ہے اور چونکہ آجکل لوگوں کے دلونمیں عظمت قرآن باقی نہیں رہی ہے۔ ہر کس و ناکس اس کے معنی کرنے اس سے بحث کرنے اس سے استدلال لانے بلکہ اس پر اعتراض کرنے کو تیار ہے حتی کہ جہال جو ایک حرف عربی زبان کا نہیں جانتے وہ بھی قرآن فہمی کے مدعی ہیں۔ اور اردو۔ پنجابی۔ سندھی۔ ہندی ترجمہ دیکھکر بحث کرنی شروع کر دیتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی تباہی کا ایک بڑا راز یہی ہے کہ قرآن پاک کی عظمت بالکل دلوں سے اٹھ گئی ہے۔ بلکہ نہ رسول اللہ کی عظمت رہی ہے۔ نہ قرآن کی عظمت رہی ہے تعظیم رسول اللہ شرک سمجھی جاتی ہے۔ اور اس کا مشاہدہ ہر وقت ہوتا ہے خدا نے فرمایا ہے لا یمسہ الا المطہرون۔ مگر یہاں یہ حالت ہے کہ ہزارہا مشرکین کے ہاتھوں میں ہیں۔ ہزارہا مشرکین کے ہاتھوں کے طبع شدہ ہیں اور ان کے یہاں بلکہ خود مسلمانوں کے یہاں سے ہزارہا اوراق قرآنی ردی میں فروخت ہوتے ہیں۔ بلکہ سڑکوں اور نالیوں پر پڑے ہیں۔ بہت سے امیروں کے یہاں ردی میں پڑے نظر آتے ہیں۔ بہت سے مسلمانوں کے یہاں گرد و خاک میں اٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ واللہ دل خون ہوتا ہے اور رشک آتا ہے جب ہم اپنے برادران ملکی سکھوں کی گرنتھ صاحب کی تعظیم و تکریم کو دیکھتے ہیں کس شان سے اٹھاتے ہیں کس شان سے لیجاتے ہیں کس شان سے پڑھتے ہیں کس شان سے رکھتے ہیں کبھی گرنتھ صاحب کو اسٹیشن پر لیجاتے ہوئے دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ بہرحال اول قرآن کے علم کیلئے عظمت قرآن کا سمجھنا اور اس کا احساس ہے۔ جو لوگ سرے سے تعظیم پیغمبر اسلام کے منکر ہیں۔ ان کے دلوں میں

اس کتاب کی کیا عظمت ہوگی جس کو وہی پیغمبر لایا ہے۔ جو اسی کی زبان سے نکلی ہے اور اسی نے کہا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے جو میں پڑھ رہا ہوں۔

شرط دوم۔ تطہیر القلب عن خبائث المعاصی و ارجاس العقائد الفاسدۃ

جب تک قلب گناہوں کی آلودگی اور عقائد فاسدہ کی پلیدی سے پاک و صاف نہ ہوگا۔ علم القرآن حاصل نہ ہوگا۔ خدا نور ہے علم القرآن نور ہے۔ اور نور کو نور ہی سے مناسبت ہوتی ہے پس علم القرآن کیلئے قلب نورانی چاہئے۔ گناہ ظلمت ہے۔ اور گنہگار کا دل سیاہ ہوتا ہے۔ اس کو علم الکتاب ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا " فان العلم نورٌ من اللہ۔ ونور اللہ لا یعطی لعاص۔

شرط سوم۔ حضور القلب و ترک حدیث النفس۔ قلب کا حاضر اور نفس کا مطمئن ہونا اور نفس کا خطرات و وساوس سے پاک ہونا۔ جب تک توجہ قلب کامل نہ ہوگی اور جب تک نفس کی سرگوشی بند نہ ہوگی نور قرآن دل میں نہ اُترےگا۔ حصول علم الکتاب طلب صحیح کا محتاج ہے اور طلب صحیح میں حضور قلب شرط ہے پس علم القرآن کیلئے حضور قلب لازم ہے۔ اور یہ کوئی آسان بات نہیں جن کو نماز میں چند منٹ حضور قلب ممکن نہیں انکو تفکر و تدبر فی القرآن کی حالت میں کہاں حضور قلب ممکن ہوسکتا ہے۔ آیت قرآن پڑھی ترجمہ پر نظر ڈالی تفسیروں میں قال و قیل و روی دیکھا اور اپنا ایک اقول بڑھا کر قرآن فہمی کا حق ادا کر دیا۔ اور طلسم ایمان یا تفسیر لکھ ڈالی۔ اور العوام کالانعام سے صدر المفسرین کا لقب پالیا اور روٹی کا سامان ہوگیا۔ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيَاتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا کو پس پشت ڈال دیا۔

شرط چہارم۔ تدبر صحیح اور تدبر اور حضور قلب میں فرق ہے۔ دونوں ایک چیز نہیں۔ چنانچہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کا قلب قرآن ہی کی طرف متوجہ اور کسی اور طرف مشغول نہیں ہوتا لیکن صرف قرآن کو حدیث نفس کے طور پر سنتا ہے۔ اور معانی میں تدبر حاصل نہیں ہوتا اور ایسا اکثر واقع ہوتا ہے۔ جناب امیر فرماتے ہیں۔ لا خیر فی عبادۃ لا فقہ فیہا ولا فی قراءۃ لا تدبر فیہا۔ اس عبادت میں کوئی بہبودی نہیں جس میں تفقہ نہ ہو اور انسان نہ سمجھے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے کس سے کہہ رہا ہے کس حال میں کہ رہا ہے۔ اور اس قرأت میں کوئی بہتری نہیں جس میں تدبر نہو۔

شرط پنجم۔ استنباط صحیح وھو ان یستوضح من کل آیۃ ما یلیق بہا اذ ما من علم الا و فی القرآن اصلہ و فرعہ و مبداہ و منہاہ۔ استنباط کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک آیت سے اس کے معنے مناسب وضاحت سے سمجھنے کی کوشش کرے۔ اور ہر ایک آیت سے اس کا خاص

حکم اور خاص منشا معلوم کرے۔ کیونکہ ہر ایک علم کی اصل و فرع قرآن میں اور اس کا ابتداء و منتہا قرآن میں موجود ہے قال ابن مسعود. من اراد علم الاولین والآخرین فلیتور من القرآن جو چاہتا ہے کہ اس کو علم اولین و آخرین حاصل ہو جائے اس کو چاہیے کہ اپنے قلب کو قرآن سے منور کرے۔ اسی سے نور علم حاصل کرے۔

شرط ششم۔ التخصیص وھوان یقدر العبد انہ ھوالمقصود بکل خطاب یعنی تخصیص کے یہ معنی ہیں کہ بندہ ہر ایک خطاب الٰہی کو خواہ امر کی صورت میں ہو یا نہی عقاب کی صورت میں ہو یا ثواب کی غضب کی شان سے ہو یا رضا کی اپنے ہی اوپر فرض کرے اور یہ سمجھے کہ گویا خداوند عالم اسی سے کہہ رہا ہے اور اسی سے خطاب کر رہا ہے۔ ہر امر میں تامل کرے۔ عقاب کے موقع پر ڈرے۔ توبہ کرے۔ عبرت حاصل کرے۔ اور ہر بشارت کے موقع پر اس میں شامل ہونے کی دعا کرے۔ اور اپنی حالت کے موافق شکر خدا بجالائے اور اس کے اعمال اس کے اقوال کی تصدیق کریں۔ زبان سے الفاظ قرآنی کی تلاوت ہو دل سے معانی کی اور اعضاء و جوارح سے اعمال و احکام کی۔ ہر خیر کے ذکر پر خیر بننے کی خواہش اور کوشش کرے اور ہر شر کے موقع پر اس سے بچنے اور بیزار رہنے اور تائب ہونے کی۔

شرط ہفتم۔ التاثر والوجد۔ ہر آیت کی تلاوت پر وجد آئے۔ ہر ایک آیت میں تدبر کرنے سے اثر لے اور متاثر ہو۔ اور نور قرآن سے قلب کو روشن کرتا جائے کبھی خوش ہو محظوظ ہو مسرور ہو کبھی خائف ہو۔ ترساں ہو۔ گریاں ہو۔ اور شوق قرب الٰہی ہر وقت بڑھتا جائے۔ تاکہ خدا اس سے قریب ہو۔ جو فرماتا ہے کہ اگر بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے۔ تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں اور اس سے قریب ہوتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف چلکر آتا ہے تو میں اسکی طرف دوڑ کر آتا ہوں اور میری رحمت دس قدم آگے بڑھکر اس کو جالیتی ہے۔ ورحمتی وسعت کل شیئ۔

شرط ہشتم۔ الترقی وھوان یترقی الی ان یسمع الکلام من اللہ لامن نفسہ یعنی تلاوت و قرأت اور تدبر کرتے ہوئے انسان سیر و سلوک روحانی و قلبی میں اتنا بلند ہو کہ گویا بارگاہ الٰہی میں حاضر ہے اور کلام اللہ کو خود صاحب کلام سے سن رہا ہے۔ نہ اپنے نفس سے اور یہ منتہائے کمال عارفین ہے۔ کیونکہ قرأت کتاب اللہ کے تین درجے ہیں۔ اول یہ کہ بندہ اسطرح پڑھے کہ گویا خدا کو سنا رہا ہے۔ دوم یہ کہ اپنے قلب میں مشاہدہ کرے کہ گویا پروردگار عالمین اس سے خطاب کر رہا ہے حضرت صادق آل محمدؐ بعض اوقات ایاک نعبد وایاک نستعین۔ کو ستر ستر مرتبہ دہراتے تھے اور

کلام میں متکلم کا جلوہ دیکھے۔ قال علیؑ ابن ابی طالب واللہ لقد تجلی اللہ لخلقہ فی کلامہ ولکنہم لا یبصرون۔ یہی مقام مقام ترقی ہے (یعنی خدا نے اپنی کلام میں اپنی مخلوق کیلئے تجلی فرمائی ہے مگر لوگ نہیں دیکھتے)

شرط نہم۔ التبری وھوان یتبرأ من حولہ وقوتہ والالتفات الی نفسہ۔ اس کی حول و قوت سے پناہ مانگے۔ اور اپنے نفس کی طرف متوجہ نہ ہو۔ قرآن میں مومنین کی تعریف آئے تو یہ فرض کرے کہ یہ میری ہی تعریف ہو رہی ہے۔ بلکہ خیال کرے کہ یہ صالحین کا ذکر ہے اور ان میں ملحق ہونے کی خواہش کرے اور جہاں مذمت ہو۔ گنہگاروں کا ذکر ہو تو اپنے نفس کو مجرم و عاصی و گنہگار سمجھ کے استغفار کرے اور صالح بننے کی کوشش اور خواہش کرے وعلیٰ ہذا القیاس۔

شرط دہم۔ التخلی من موانع الفہم۔ موانع وعوائق فہم القرآن سے مبرا و منزہ اور خالی ہونا نہایت ضروری شرط ہے اور موانع فہم القرآن بہت ہیں اور وہ قرآن فہمی کیلئے حجاب ہیں بعض ان میں سے حجاب داخلی ہیں اور بعض حجاب خارجی۔ کیونکہ قلب انسانی کی مثال آئینہ کی ہے اور علم قرآن مثل شعاع نور۔ اور آئینہ میں کبھی عکس اس وجہ سے نظر نہیں آتا ہے کہ اس پر زنگ چڑھ گیا ہے میلا ہو گیا ہے صاف نہیں ہے۔ اور کبھی اس لئے کہ وہ اس کے مقابل نہیں ہے۔ یا ٹیڑھا ہے یا کوئی شے درمیان میں حائل ہے۔ یہی حال آئینہ قلب کا ہے بعض حجاب داخلی ہیں جیسے کہ طفولیت بلاہت وسفاہت۔ بلادت۔ جہالت اور گناہوں پر اصرار یا نخوت وغرور و تکبر اور حسد وغیرہ رذائل سے متصف ہونا فیمتنع جلیۃ الحق ان یتجلیٰ فیہ۔ کیونکہ یہ تمام باتیں قلب کیلئے تاریکی اور زنگ ہیں اور جس قدر شہوات غالب ہونگی اسیقدر معانی قرآن اسپر مخفی و محتجب رہینگے۔ یہ سب حجابات باطنی ہیں! ورعدم تفکر و تدبر حجاب خارجی ہے اور منجملہ حجاب خارجی چار حجاب ہیں اور وہ سخت مانع قرآن فہمی ہیں۔

مانع اول۔ کٹ ملاؤں کی طرح نفس اور قلب کی تمام توجہ تحقیق حروف اور مخارج میں صرف کر دینا اور بس۔ اسی میں غرق ہو جانا۔ قرآن میں گھنٹوں ایک ایک حرف کے مخرج پر اڑ کے رہنا۔ کبھی "عین" گلے میں پھنس گیا اور کبھی "ہمزہ" اٹک گئی۔ کبھی "خا" کا اچھو ہوا "قاف" کا پھندا لگ گیا اور یہ مرض ملاؤں میں کافی ہے۔ ہر ایک شے جو حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ خرابی لاتی ہے! اذبلغ الشیٔ حدہ انعکس ضدہ

"جو خال اپنی حد سے بڑھا وہ مسا ہوا"

مانع دوم۔ تقلید مذہبی۔ انسان کو حقیقی تدبر و تفکر اور استنباط احکام سے مانع ہوتی ہے۔

"حب الشیٔ یعمی و یصم" ذہن کی توجہ آن واحد میں دو طرف محال ہے اور جس وقت ذہن تصدیق

حکم اور خاص منشاء معلوم کرے۔ کیونکہ ہر ایک علم کی اصل و فرع قرآن میں اور اس کا مبتداء و منتہا قرآن میں موجود ہے قال ابن مسعود۔ من اراد علم الاولین والآخرین فلیثور من القرآن جو چاہتا ہے کہ اس کو علم اولین و آخرین حاصل ہو جائے اس کو چاہئے کہ اپنے قلب کو قرآن سے منور کرے۔ اسی سے نور علم حاصل کرے۔

شرط ششم۔ التخصیص وھوان یقدر العبد انه ھوالمقصود بکل خطاب یعنی تخصیص کے یہ معنی ہیں کہ بندہ ہر ایک خطاب الٰہی کو خواہ امر کی صورت میں ہو یا نہی عقاب کی صورت میں ہو یا ثواب کی غضب کی شان سے ہو یا رضا کی اپنے ہی اوپر فرض کرے اور یہ سمجھے کہ گویا خداوند عالم اسی سے کہہ رہا ہے اور اسی سے خطاب کر رہا ہے۔ ہر امر میں تامل کرے۔ عقاب کے موقع پر ڈرے۔ توبہ کرے۔ عبرت حاصل کرے۔ اور ہر بشارت کے موقع پر اس میں شامل ہونیکی دعا کرے۔ اور اپنی حالت کے موافق شکر خدا بجا لائے اور اس کے اعمال اس کے اقوال کی تصدیق کریں۔ زبان سے الفاظ قرآنی کی تلاوت ہو دل سے معانی کی اور اعضاء و جوارح سے اعمال و احکام کی۔ ہر خیر کے ذکر پر خیر بننے کی خواہش اور کوشش کرے اور ہر شر کے موقع پر اس سے بچنے اور بیزار رہنے اور تائب ہونے کی۔

شرط ہفتم۔ التاثر والوجد۔ ہر آیت کی تلاوت پر وجد آئے۔ ہر ایک آیت میں تدبر کرنے سے اثر لے اور متاثر ہو۔ اور نور قرآن سے قلب کو روشن کرتا جائے کبھی خوش ہو محظوظ ہو مسرور ہو کبھی خائف ہو۔ ترسان ہو۔ گریاں ہو۔ اور شوق قرب الٰہی ہر وقت بڑھتا جائے۔ تاکہ خدا اس سے قریب ہو۔ جو فرماتا ہے کہ اگر بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے۔ تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں اور اس سے قریب ہوتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف چلکر آتا ہے تو میں اسکی طرف دوڑکر آتا ہوں اور میری رحمت دس قدم آگے بڑھکر اس کو جالیتی ہے۔ ورحمتی وسعت کل شیئ۔

شرط ہشتم۔ الترقی وھوان یترقی الی ان یسمع الکلام من اللہ لا من نفسه یعنی تلاوت و قرأت اور تدبر کرتے ہوئے انسان سیر و سلوک روحانی و قلبی میں اتنا بلند ہو کہ گویا بارگاہ الٰہی میں حاضر ہی اور کلام اللہ کو خود صاحب کلام سے سن رہا ہے۔ نہ اپنے نفس سے اور یہ منتہائے کمال عارفین ہے۔ کیونکہ قرأت کتاب اللہ کے تین درجے ہیں۔ اول یہ کہ بندہ اسطرح پڑھے کہ گویا خدا کو سُنا رہا ہے۔ دوم یہ کہ اپنے قلب میں مشاہدہ کرے کہ گویا پروردگار عالمین اس سے خطاب کر رہا ہے حضرت صادق آل محمد بعض اوقات ایاک نعبد وایاک نستعین۔ کو ستر ستر مرتبہ دہراتے تھے اور سوال کرنے پر فرمایا کہ اسوقت تک کہے جاتا ہوں جب تک کہ خود ...

سید المتقین و سید المرسلین ہیں پس مطلب یہ ہوا کہ کتاب اللہ باطن رسول ہے۔ روح قدس نبوی سے اتصال و قرب پیدا کر دو علم الکتاب حسب استعداد و قابلیت اخلاص و وجود شرائط و عدم موانع و عوائق حاصل ہو جائیگا لیکن ان شرائط کے ساتھ ایک امر اور غور طلب ہے کہ وساوس شیطانی و خطرات و نزعات شیطانی جس طرح سیر و سلوک ظاہری و عبادات ظاہریہ میں حارج و عائق و مانع ہوتے ہیں اسیطرح سلوک باطنی میں بھی عائق و مانع ہوتے ہیں۔ اور شیطان حق باطل سے ملتبس و مشتبہ کرنیکی پوری کوشش کرتا ہے۔ بلکہ یہاں سالک کو زیادہ مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور اسی واسطے بعض وقت نتیجہ برعکس نکلتا ہے پس ان شرائط کے ساتھ بھی بعض وقت حق کا باطل سے مشتبہ ہو جانا ممکن ہے کیونکہ خواہ ہم کیسے ہی نیک ہو جائیں کیسے ہی ہمارے دل پاک و صاف ہوں۔ پھر بھی درجہ عصمت تک نہیں پہنچ سکتے اور وساوس سے بالکلیہ محفوظ نہیں ہو سکتے۔ ایسی صورت میں ہمارے پاس کوئی معیار و میزان ہو کہ جہاں کوئی شک و شبہ ہو اسی سے معلوم کر سکیں کہ صدق کیا ہے اور کذب کیا ہے؟ ہم حق سمجھے ہیں یا باطل؟ اور اول معیار و میزان معلم ربانی ہے یعنی رسول مقبولؐ وہی ہر مشکل اور ہر امر اہم کو حل کر سکتا ہے۔ وہی مرکز ہے جہاں ہر طرف سے متوجہ ہو کر ہر ایک کو ٹھہر جانا ضروری ہے۔ ورنہ بعض اوقات ان شرائط کے ہوتے ہوئے بھی قرآن میں غلط فہمی کا احتمال ہے اور ضرور ہے۔ چنانچہ مشاہدہ بھی ہے جو اپنی معرفت کے غرور میں اتباع رسول اللہ سے انکار کر بیٹھے ہیں اور یہ سمجھے ہیں کہ انہیں براہ راست خدا سے تعلق ہو گیا ہے۔ وہ واصل باللہ ہو گئے ہیں۔ انہیں رسول اللہ کے واسطہ و وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے وہ ضرور گمراہ ہو گئے ہیں اور ہوتے ہیں اور اسی مقام سے متصوفہ اور متفلسفین نے اپنے تحقیقات پر ناز اور غرور کر کے حقیقی اسلام کے خلاف ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا ہے۔ اور بہت سے مسائل تصوف اکثر مسلمات اسلام کے خلاف ہیں اور اکثر تاویلات آیات قرآنی باطل اور خلاف فرمان پیغمبری ہیں۔ سچ ہے ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

وسیلہ و واسطہ کی ہر مقام پر ضرورت ہے معیار و میزان حق و باطل ہمیشہ پیش نظر رہنا لازم ہے۔ ہادی راہ مستقیم معلم کتاب اللہ مبین اختلاف کی ہر حال میں احتیاج ہے اور یہ احتیاج ہر وقت و ہر زمانے میں بعد رسول بھی ضروری ہے اور اسی واسطے پروردگار عالمین فرماتا ہے اور اہل ایمان کو حکم دیتا ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون بالبینات والزبر۔ اگر زبر و بینات قرآنی کو نہیں جانتے اور اسکی صورت تنزیل و تاویل و تمثیل و ظاہر و باطن سے ناواقف ہو تو اہل الذکر سے دریافت کرو۔

ذکر جب اسم ہو تو اس سے مراد قرآن پاک ہوتا ہے یا رسول پاک دراصل دونوں حقیقت میں ایک ہیں اور قرآن ناطق رسول اللہ ہیں پس ذکر کتاب صامت بھی ہے اور کتاب ناطق بھی۔ کما نطق بہ القرآن۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ و ارسلنا الیکم ذکراً رسولاً۔ بنا بریں اہل الذکر بلا شبہ اہل بیت رسول ہوئے۔ اور حکم پروردگار عالمین یہ ہوا کہ اگر تم کسی بات کو نہ جانو کوئی مسئلہ قرآن سے نہ سمجھو کوئی حکم قرآن معلوم نہ کر سکو تو اہل بیت رسول سے دریافت کر لیا کرو۔ اور اس کا ہم کافی سے زیادہ ثبوت دیکھ چکے ہیں اور رسول اللہ نے اکثر فرمایا ہے۔ "یا علیؑ انت منی وانا منک"۔ "یا ھو منی وانا منہ"۔ یعنی میں اور علیؑ۔ پس ایک نفس کی مانند ہیں (صواعق محرقہ)

اور فرمایا ہے:۔

ان علیاً منی وانا منہ وھو ولی کل مومن بعدی۔	بیشک علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور میرے بعد ہر ایک مومن کا مولا و آقا ہے۔
انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔	میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔
انا وعلی حجۃ اللہ علی عبادہ۔	میں اور علی بندگان خدا پر خدا کی حجت ہیں میں نبی ہوں اور علی امام خلق۔
علی خیر البشر من شک فیہ فقد کفر۔	علیؑ سب سے بہتر اور افضل انسان ہے جو اس میں شک کرے وہ کافر ہے۔
من قاتل علیا علی الخلافۃ فاقتلوہ کائناً من کان۔	جو خلافت کے بارے میں علی سے لڑے تو اسکو قتل کر دو۔ خواہ کوئی کیوں نہ ہو۔
من فارق علیا فارقنی ومن فارقنی فارق اللہ۔	جو علیؑ سے جدا ہوا وہ مجھ سے جدا ہوا۔ جو مجھ سے جدا ہوا وہ خدا سے جدا ہو گیا۔
اعلم امتی من بعدی علی ابن ابیطالب	میرے بعد علیؑ میری ساری امت سے زیادہ عالم ہے۔
حق علی ھذہ الامۃ کحق الوالد علی الولد۔	علی کا اس امت پر ایسا ہی حق ہے جیسا کہ باپ کا اولاد پر۔ علی امت محمدی کا روحانی باپ ہے۔
شیعۃ علی ھم الفائزون۔	علی ہی کے پیرو رستگار اور نجات پانیوالے ہیں

صاحب سری علی ابن ابی طالب ...

یا علی انت تبین لامتی ما اختلفوا فیہ من بعدی۔

اے علی تو ہی میرے بعد میری امت کے اختلاف کو مٹائیگا اور صحیح علم قرآن سکھائیگا۔

علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر۔

علی افضل بشر ہے اور اس سے انکار کرنیوالا کافر۔

لکل نبی وصی و وارث و علی وصیی و وارثی۔

ہر ایک نبی کا کوئی وصی اور وارث ہوتا ہے علی میرا وصی اور وارث ہے۔

مثل علی فی الناس مثل قل ھو اللہ احد فی القرآن۔

لوگوں میں علی ایسا ہے جیسے قرآن میں سورۂ توحید۔ سب سے افضل۔

(کنز الدقائق فی حدیث خیر الخلائق للمناوی)

یا ایھا الذین امنوا۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا۔ ان اہل ذکر کی پیروی کرو اور خدا کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا فرقہ نہ بنو۔ یہی آل محمد حبل اللہ المتین اور عروۃ الوثقی ہیں (دیکھو صواعق محرقہ۔ ینابیع المودۃ وغیرہما) انہیں کی محبت و ولایت و اطاعت کی بازپرس ہوگی۔ وقفوھم انھم مسئولون۔

قال ابو سعید الخدری قال رسول اللہ وقفوھم انھم مسئولون عن ولایت علیؑ۔ پروردگار عالم کا حکم ہوگا کہ ان کو یہیں ٹھہراؤ کہ انسے ولایت علی کی بابت پوچھا جائیگا یعنے انھم یسالون ھل والوھم حق الموالاۃ کما اوصاھم النبی۔

علامہ ابن حجر اس کے معنے میں فرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے یہ پوچھا جائیگا کہ انہوں نے موافق وصیت نبی و اہلبیت کی مودت و محبت و موالاۃ کا حق ادا کیا یا نہیں؟

یا ایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ فان اردتم العلم فاتوا باب العلم

جواب از اعتراض دوم

اس اعتراض کا جواب خود اعتراض اول کے جواب میں آگیا کیونکہ ہم نے نہیں کہا کہ قرآن میں تدبر و تفکر و تامل و تعقل و تفقہ نہ کرو بلکہ ہم کہہ چکے ہیں۔ افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا۔ بلکہ ہمارے نزدیک تفکر و تدبر فی القرآن بہترین عبادت ہے۔ بلکہ تفکر ساعۃٍ خیر من عبادۃ سنۃ آیات الٰہی میں ایک گھڑی تدبر و تفکر کرنا سال بھر کی عبادت سے بہت بہتر۔ بلکہ بعض احادیث کے موافق ستر سال کی عبادت سے بڑھکر اور حکم ہی کہ جو لوگ خصوصیت سے علم القرآن اور تفقہ فی القرآن حاصل کریں اور وہ دوسروں کو

سکھائیں ... فرقۃ طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم

اذا دجاء اللہ ہمارا مقصود بھی یہی ہے لیکن تفکر فی القرآن کیلئے شرائط ہیں اور علم القرآن حاصل کرنے کیلئے ... باطنی کی ضرورت

ہی جو تفکر و تدبر میں خلاف معلم ربانی چلیگا اور شرائط علم القرآن سے عاری ہوگا وہ ہلاکت میں پڑیگا اور تمام شرائط کے

حاصل ہوجانیکے بعد بھی حسب استعداد جزوی علم حاصل ہوگا۔ نہ علم کلی۔ کہ وہ مخصوص تعلیم خاص الٰہی ہے۔

جواب از اعتراض سوم

اس کے متعلق بھی اب کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ کافی ہے۔ ہاں اتنا کہنا ضروری ہے کہ معترض بیچارے

کو الفاظ قرآنی کے لغوی معنی بھی نہیں معلوم۔ چہ جائیکہ اس کو مصطلحات ربانی اور حقائق معانی سے

واقفیت ہو۔ خداوند عالمین نے یسرنا القرآن للذکر فرمایا ہے۔ یسرنا القرآن

للفہم کہاں فرمایا ہے۔ فہم معانی قرآن اور شے اور تذکر از قرآن شے دیگر۔ یہ بھی غلط ہے جو ہم نے ذکر

کے بجائے تذکر استعمال کیا ہے۔ کیونکہ حقیقت ذکر اور تذکر اور اذکار ہر ایک جدا جدا ہے اور جزوی

فرق رکھتے ہیں اور ہماری زبان اس سے بالکل قاصر ہے کہ الفاظ قرآنی کے صحیح معانی ہمارے لفظوں میں ادا

ہوجائیں اور قطع نظر اس سے کہ آیا الفاظ میں ترادف ثابت ہے یا نہیں۔ بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو

بظاہر مترادف معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت مترادف نہیں ہیں۔ تیس لفظ ہیں جو بظاہر معنی علم

(دانش یا دانستن) سے مشابہ یا مترادف معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے

ہر ایک کے معنے جدا جدا ہیں۔ اور ہر ایک حقیقت جداگانہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ہمارے نزدیک

ان میں سے بعض مراتب علم سے ہیں بعض اتحاد علم سے ہیں اور بعض وسائل و ذرائع علم سے اور بعض

تشابہ بمعنے علم لیکن دراصل مرادف علم نہیں ہیں۔ اور وہ تیس ۳۰ لفظ حسب تحقیق علماء و حکماء یہ ہیں

اور اکثر ان میں سے قرآن پاک میں موجود ہیں۔

اوّل ادراک۔ دوم شعور۔ سوم تصور۔ چہارم حفظ۔ پنجم تذکر۔ ششم ذکر۔ ہفتم معرفت و عرفان۔

ہشتم فہم۔ نہم فقہ۔ دہم عقل۔ یازدہم حکمت۔ دوازدہم درایت۔ سیزدہم ذہن۔ چہاردہم فکر۔ پانزدہم

حدس۔ شانزدہم ذکاء (ذکاوت) ہفتدہم فطنت (فطانت) ہیجدہم خطور۔ نوزدہم وہم۔ بستم لحن۔ بست و یکم

علم الیقین عین الیقین حق الیقین۔ بست و دوم بدیہہ۔ بست و سوم اولیات۔ بست و چہارم خیال۔ بست و

پنجم رویۃ۔ بست و ششم کیاست۔ بست و ہفتم خبرت۔ بست و ہشتم فراست۔ بست و نہم رائے۔ سی ام

نفث فی الروع (صدر المحققین شرازی نے تیسواں لفظ یہاں نفث فی الروع درج کیا ہے لیکن اگر

نفث فی الروع ان میں شامل ہے تو پھر نقر فی الاسماع۔ القاء فی القلب۔ الہام و وحی بھی ضرور

یہ اور اس قسم کے بیشمار الفاظ ہیں۔ اگر کوئی صاحب مدعی قرآن فہمی ہوں اور ان الفاظ کے بجائے اور الفاظ ان کی جگہ رکھدیں جو بعینہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہوں جو ان الفاظ میں ودیعت کی گئی ہے اگر نہ ملیں تو فارسی ہی کے سہی ہم ہر لفظ کے عوض پانچ روپیہ انعام دینگے اور لفظ الحمد کا ترجمہ اردو یا فارسی میں ایسا کر دیا جائے جو حمد کی حقیقت اور خصوصیت وخاصیت کو جامع اور حاوی ہو اور ترجمہ میں عربی کا لفظ نہ آئے۔ کیونکہ مدح۔ ثنا۔ تعریف سب عربی ہیں اور سب کے معنے جدا۔ کوئی حقیقی مرادف حمد کا نہیں ہے تو ہم سو روپیہ نذر کرینگے "کلام خدا فہمیدن مشکل است و عتراض کردن آسان"۔ اگر ان تمام الفاظ کی پوری تشریح کیجائے تو یقیناً ایک اچھی کتاب تیار ہو جائے اور یہ رسالہ اسکو مقتضی نہیں ہے۔ نہ ناظرین اس سے دلچسپی لے سکتے ہیں اور نہ اس کے اہل ہیں اس لئے انکو محفوظ رکھتے ہوئے صرف تذکر۔ ذکر۔ فہم کا ذکر کرتے ہیں۔

لغت میں ذکر کے معنے یاد کردن۔ وبیان آوردن وبخاطر آوردن اور پند ونصیحت ہیں تذکر بیاد آمدن وپند گرفتن۔ فہم بدل دریافتن وفی الاصطلاح الذکر الصورۃ الزائلہ اذا عادت وحضرت سمی وجدانہا ذکراً۔ دماغ میں جو صور علمیہ محفوظ ہوتی ہیں کبھی بظاہر زائل ہو جاتی ہیں اور اسکو نسیان سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب زائل شدہ صورت پھر آجائے اور حاضر ہو جائے تو اس کے وجدان کا نام ذکر ہے۔

التذکر ھو ان الصورۃ المحفوظۃ اذا زالت عن القوۃ العاقلۃ فاذا حاول الذھن استرجاعہا فتلک المحاولۃ ھی التذکر یعنی صورت محفوظہ جب قوت مدرکہ عاقلہ سے زائل ہو جائے اور پھر ذہن اس کے رجوع کا قصد کرے تو اس قصد کا نام تذکر ہے۔

الفھم ھو تصور الشی من لفظ المخاطب متکلم کے لفظ سے معنی کا تصور فہم کہلاتا ہے اور اس معنی کو مفہوم کہتے ہیں۔ اور اسیقدر بیان سے واضح ہے کہ فہم اور چیز ہے ذکر اور شے اور تذکر اور شے اور یہ جو کچھ فرق دکھلایا گیا ہے۔ ہمارے الفاظ اور ہماری اصطلاحات ہیں۔ خالق الفاظ ومعانی اور خالق عقول ونفوس نے جو معنی ہر لفظ میں ملحوظ رکھے ہیں اس کی حقیقت واقعیہ کا ادراک نہایت دشوار ومشکل بلکہ ہمارے نزدیک ناممکن پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ یسرنا القرآن للذکر سے مراد یہ ہے کہ قرآن آسان ہے ہر شخص اس کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ حالانکہ فہم کو بھی علم واقعی لازم نہیں۔ الفاظ سے جو کچھ ہم سمجھتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ وہ مفہومات مطابق واقع اور عین حقائق اشیاء ہوں۔ پھر یسرنا القرآن للذکر سے قرآن کے علم واقعی کا حصول کیونکر

مفہوم ہو سکتا ہے۔ لاریب لقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ دیکھو قرآن پاک میں لفظ فہم صرف ایک جگہ قصہ حضرت داؤد و سلیمانؑ میں آیا ہے "و فھمناھا سلیمان" پڑھو اور غور کرو کہ کیا معنے دیتا ہے۔ یہاں ہم اتنا ہی کہتے ہیں پند و نصیحت۔ تذکر الٰہی کیلئے قرآن آسان ہے قصص و حکایات قرآن نصیحت کیلئے کافی ہے اور اس کے اعجاز کا ادراک و احساس اس نصیحت کیلئے کافی ہے کہ یہ کلام اللہ ہے اور عقول بشری سے بالا ہے۔ اس کا ہر جملہ عظمت و جلال الٰہی کے تذکر کیلئے کافی ہے اور بیشک اس قسم کے فوائد ہر شخص اس کتاب پاک سے حاصل کر سکتا ہے فان القرآن غذاء الخلق کلھم علے اختلاف اقسامھم و مقاماتھم و اغتذائھم علی قدر منازلھم و درجاتھم" وانہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لایمسہ الا المطھرون تنزیل من رب العالمین۔ افبھذا الحدیث انتم مدھنون وتجعلون رزقکم انکم تکذبون ج" (الواقعہ) بہرکیف یہ اعتراضات و شبہات نافہمی کی دلیل ہیں۔ ورنہ جو ذرا فہم قرآن سے ذرا بھی مس رکھتا ہے جانتا ہے کہ اس کے ایک ایک حرف کی حقیقت و ادراک سے عقول بشر بلکہ عقول عالم عاجز و قاصر ہیں۔ الٓمٓر۔ کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم علیم اور یہی وجہ اعجاز قرآنی ہے۔ غرض بدلائل کثیرہ مذکورہ و غیر مذکورہ ثابت ہے کہ رسول اللہ کے بعد قرآن کے سمجھانے۔ پڑھانے اور اختلافات مٹانے کیلئے معلم و مبین ربانی مفسر قرآن کی ضرورت ہے اور وہ وارث نبی و مالک خلافت ہوگا۔ اس کی رسول تبلیغ فرماتا رہا اور اسی کو آخر وقت میں بصورت وصیت لکھنا چاہتا تھا۔

باب سوم

بحث حدیث قرطاس

حسبنا کتاب اللہ اور اس کی شان صدور

اگرچہ اس حقیقت کے لحاظ سے جس کو ہم مفصل بیان کر آئے ہیں۔ یہ کلمہ ھسر

مسلمان کا عقیدہ ہے اور اگر بعض مسلمان زبان مقال سے ادا نہ کریں تو بھی ان کی زبان حال ضرور یہ کہتی ہے کہ "حسبنا کتاب اللہ" اور اس "الکتاب" کے ناسخ جمیع کتب سماویہ ہونے میں کسی مومن کو شبہ ہو ہی نہیں سکتا لیکن یہ کلمہ ایک خاص وقت میں ایک خاص شخص کی زبان سے اس شان سے صادر ہوا ہے کہ اس نے خاص اہمیت پیدا کر لی ہے کہ باوجود اس کی صداقت و حقانیت کے مسلم ہونے کے اس روایت کا راوی جب اس کو بیان کرتا اور ذکر کرتا تھا۔ تو بے اختیار رو پڑتا تھا ہمیں اس کے تمام مالہ وما علیہ سے بحث نہیں ہے ہم صرف بعض امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس وقت اس کلمہ سے کیا مراد لی گئی تھی۔ اور اس کا مدعا کیا تھا اور اب کیا لیا جا رہا ہے اور اس کا اسلام پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔ **الصحیح البخاری**۔ باب کتابۃ العلم ص ۲۲ معنعنا عن ابن عباس لما اشتد بالنبی وجعہ قال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ۔ قال عمر ان النبیؐ قد غلب علیہ الوجع وعندنا "کتاب اللہ حسبنا"۔ فاختلفوا وکثر اللغط وقال قوموا عنی لا ینبغی عندی التنازع فخرج ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ وبین کتابہ یعنی جس وقت آنحضرت پر مرض کی شدت ہوئی تو آپ نے فرمایا ایک کاغذ میرے پاس لاؤ کہ میں تمہارے لئے ایک ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے عمر بن الخطاب نے کہا نبیؐ پر مرض کا غلبہ ہے اور درد کی تکلیف میں یہ کہ رہے ہیں۔ ہمارے پاس کتاب اللہ موجود ہے وہ کافی ہے۔ حاضرین میں اس کلمہ سے اختلاف ہوا اور زور زور سے گفت و شنید ہونے لگی تو آپ نے فرمایا اُٹھ جاؤ میرے پاس سے کہ میرے پاس تنازعہ مناسب نہیں ہے اور ابن عباس یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے کہ افسوس مُصیبت "سب مصیبتوں کی مصیبت رسول اللہ اور ان کی تحریر وصیت میں حائل ہو جانا ہے۔

۲۰۔ ایضاً۔ کتاب الجہاد ص ۲۹ ہم قال ابن عباس یوم الخمیس ما یوم الخمیس ثم بکی حتی خضب دمعہ الحصباء فقال اشتد برسول اللہ وجعہ یوم الخمیس قال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ا ھجر رسول اللہ قال دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ واوصی عند موتہ بثلاث۔ کہا کہ روز پنجشنبہ۔ کیا ہے روز پنجشنبہ؟ اور اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے زمین کے سنگریزے تر ہو گئے اور کہا روز پنجشنبہ رسول اللہ پر مرض کی شدت ہوئی تو آپ نے فرمایا ایک کاغذ لاؤ کہ میں تمہارے لئے ایک ایسی کتاب لکھ دوں جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے

پس حاضرین آپس میں جھگڑنے لگے حالانکہ نبی کے پاس تنازعہ درست نہیں ہے۔ اور کہنے لگے (معاذ اللہ) کیا رسول اللہ ہذیان میں ہیں۔ اور آپ نے فرمایا میرا پیچھا چھوڑ دو میں جس حال میں اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم مجھکو بلاتے ہو۔ اور وقت وفات تین باتوں کی زبانی وصیت کی۔

[3] ایضاً۔ کتاب الخمس ص ۴۴۹ یقول یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم بکی حتی بل دمعہ الحصیٰ قلت (سعید ابن جبیر) یا ابا عباس وما یوم الخمیس قال اشتد برسول اللہ وجعہ فقال ائتونی بکتف اکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعدہ ابداً فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا مالہ اھجر استفھموہ فقال ذرونی الذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ فامرھم بثلث۔

[4] ایضاً۔ باب مرض النبی ص ۶۳۸ عبد اللہ بن عتبہ عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللہ وفی البیت رجال فقال النبی ھلموا اکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعدہ قال بعضھم (عمر بن الخطاب محشی وشارح بخاری) ان رسول اللہ قد غلب الوجع وعندکم القران حسبنا کتاب اللہ فاختلف اھل البیت فاختصموا فمنھم من یقول قربوا یکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعدہ ومنھم من یقول غیر ذلک فلما اکثروا اللغو والاختلاف قال رسول اللہ قوموا۔ قال عبد اللہ (الراوی) فکان یقول ابن عباس ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ وبین ان یکتب لھم ذالک الکتاب لاختلافھم ولغطھم۔

[5] ایضاً۔ فی ھذہ الصفحۃ ص ۶۳۸ قال ابن عباس یوم الخمیس وما یوم الخمیس اشتد برسول اللہ وجعہ فقال ائتونی اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدہ ابداً فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ما شانہ اھجر استفھموہ فذھبوا یردون علیہ فقال دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ۔

[6] ایضاً۔ کتاب المرض باب قول المریض ص ۸۴۶ عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللہ وفی البیت رجال فیھم عمر بن الخطاب قال النبی ھلم اکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعدہ قال عمر ان النبی قد غلب علیہ الوجع وعندکم القران حسبنا کتاب اللہ" فاختلف اھل البیت فاختصموا منھم من یقول قربوا یکتب لکم النبی کتاباً لن تضلوا بعدہ ومنھم من یقول ما قال عمر فلما اکثروا اللغوا والاختلاف عند النبی قال رسول اللہ قوموا عنی قال عبد اللہ وکان ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل

حال بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین ان یکتب لھم ذلک من اختلافھم ولغطھم۔

ایضاً کتاب الاعتصام باب کراہیۃ الاختلاف ص۱۹۵ عن عبید اللہ بن عبداللہ عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللہ و فی البیت رجال فیھم عمر بن الخطاب قال ھلم اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدہ قال عمر ان النبی غلبہ الوجع وعندکم القرآن "حسبنا کتاب اللہ" واختلف اھل البیت واختصموا فمنھم من یقول قربوا یکتب لکم رسول اللہ کتاباً لن تضلوا بعدہ ومنھم من یقول ما قال عمر فلما اکثروا اللغط والاختلاف عند النبی قال قوموا عنی قال عبید اللہ فکان ابن عباس یقول الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ وبین ان یکتب ذلک الکتاب من اختلافھم ولغطھم (بخاری مطبوعہ مطبع قدیمی احمدی میرٹھ ۱۲۸۲ھ) صحیح مسلم میں بطرق مختلفہ یہ حدیث مروی ہے اور مشکوٰۃ المصابیح میں بھی۔ صحیح مسلم میں بعینہ یہی الفاظ ہیں ایک جگہ بجائے "کتاب" "کتف" اور دواۃ کا لفظ زیادہ ہے اور ہجر بصیغہ مضارع آیا ہے۔ "فقالوا ان رسول اللہ یھجر"۔ اور مشکوٰۃ کے الفاظ مسلم کے موافق ہیں۔ قاضی عیاض نے الشفاء (القسم الثانی ص۱۸۹) پر عصمت رسول اللہ کو تسلیم کرتے ہوئے اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور چند طرق حدیث کو نقل کیا ہے کہ یہ حدیث عصمت رسول اللہ کے خلاف ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے اور آخرالامر استفہام انکاری کے لباس میں پناہ ڈھونڈی ہے نقل عبارت کی ضرورت نہیں ہے اور صاحب مدارج النبوۃ نے ص۵۰۹ و ص۵۱۰ پر پنجشنبہ کا واقعہ درج کیا ہے اور لفظ ہجر کا ترجمہ بھی ہذیان ہی سے کیا۔ جیسا کہ اہل علم میں مسلم ہے وبطریق الشیعۃ فی اعلام الوریٰ ص۸۲ و ۸۳ قال ائتونی بدواۃ وکتف اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدہ ابداً ثم اغمی علیہ فقام بعض من حضر فی اصحابہ لیلتمس دواۃ وکتفاً فقال لہ عمر ارجع فانہ یھجر فلما افاق قال بعضھم الا ناتیک یا رسول اللہ بکتف ودواۃ فقال ابعد الذی قلتم لا ولکن احفظونی فی اھل بیتی واستوصوا باھل الذمۃ خیراً واطعموا المساکین والصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم فلم یزل یردد ذلک حتیٰ اعرض عن القوم بوجھہ۔ فرمایا دوات اور شانہ گوسفند لاؤ کہ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے پھر آپ پر غشی چھاگئی اور حاضرین میں سے ایک

شخص اُٹھا کہ شانہ و دوات تلاش کرے تو عمر بن الخطاب نے کہا لوٹ آؤ یہ شخص تو ہذیان میں ہے۔ پھر جب رسول اللہ کو ہوش آیا تو کسی نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کیلئے دوات و شانہ نہ لائیں۔ فرمایا کیا اس کے بعد جو تم کہہ چکے ہو؟ نہیں اب کیا ضرورت ہے لیکن میرے اہلبیت کے باب میں مجھے نہ بھول جانا۔ لحاظ رکھنا اور اہل ذمہ کیلئے بہتر وصیت کرتے رہنا۔ مسکینوں کو کھانا دینا۔ نماز پڑھنا اور اپنے ماتحتوں کا لحاظ رکھنا۔ بار بار یہی فرماتے رہے۔ تا اینکہ لوگوں کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ انتہیٰ۔

غرض بخاری نے سات طرق سے بالفاظ مذکورہ اس حدیث قرطاس کو روایت کیا ہے اور مسلم نے چار طرق خاص سے۔ طبری نے اپنی تاریخ میں تین طرق سے اور مشکاۃ المصابیح میں تین طرق سے مروی ہے۔ اور قاضی نے شفا میں چند طرق سے اور ابن ابی الحدید نے ان بعض طرق و اسناد کو اپنی شرح نہج البلاغہ میں متعدد جگہ ذکر کیا ہے چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں۔ و فی الصحیحین عن عباس انہ کان یقول یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم بکیٰ حتی بلغ دمعہ الحصا قلنا یا ابن عباس وما یوم الخمیس قال اشتد مرض رسول اللہ ووجعہ فقال ائتونی بکتاب اکتب لکم لا تضلوا بعدی ابداً۔ فتنازعوا فقال انہ لا ینبغی عندی التنازع۔ قال قائل ما شانہ اھجرا ستفهموہ فذھبوا یعیدون علیہ فقال دعونی فالذی انا فیہ خیر لی من الذی انتم فیہ۔

ایضاً۔ قال لما احتضر رسول اللہ و فی البیت رجال منھم عمر ابن الخطاب قال النبی صلعم اکتب لکم کتاباً لا تضلون بعدہ۔ فقال عمر ان رسول اللہ قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن۔ حسبنا کتاب اللہ۔ فاختلف القوم و اختلجوا فمنھم من یقول قربوا الیہ یکتب لکم کتاباً لا تضلون بعدہ ومنھم من یقول ما قالہ عمر فلما اکثروا اللغو والاختلاف عندہ علیہ السلام قال لھم قوموا عنی فقاموا وکان ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ وبین ان یکتب ذٰلک الکتاب (جلد اول ص۲۲۴ نسخہ قلمی)

مضمون انکا وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا و علیٰ ہذا القیاس دیگر کتب حدیث و سیر اور بلاشبہ یہ حدیث صحیح متواترات سے ہے۔ اس سے انکار گویا بدیہیات اور مسلمات تاریخی کا انکار ہے

مطالب روایت

اول۔ بنا بر روایت مسلمہ اہل اسلام ہے کہ رسول اللہ نے مرض الموت میں موافق حکم شریعت ایک تحریری وصیت اپنے بعد چھوڑنی چاہی۔

دوم۔ وہ وصیت امت کی بہبودی اور انکی ہدایت کیلئے تھی۔

سوم۔ اکثر اصحاب اس وقت حجرہ رسولؐ اللہ میں موجود تھے۔ ان میں بتصریح روایات حضرت عمر بھی تھے۔

چہارم۔ ان تمام روایات میں حاضرین میں سے صرف دو ہی شخصوں کا نام آیا ہے ایک راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عباس دوم حضرت عمر بن الخطابؓ۔

پنجم۔ آنحضرت اس وصیت کو ہدایت امت کیلئے نہایت ضروری اور لازمی سمجھتے تھے اور صریحاً فرماتے تھے کہ اگر یہ وصیت لکھی گئی اور اس پر عمل کیا گیا تو ہرگز ہرگز گمراہی نہ ہوگی۔ اور اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس وصیت نامہ کے نہ لکھے جانے کی صورت میں ضرور امت کے لئے گمراہی ہے۔

ششم۔ آنحضرت نے سامان تحریر طلب کیا اور وصیت لکھنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر نے نہ چاہا کہ یہ وصیت لکھی جائے کبھی فرمایا مرض اور تکلیف مرض کے غلبے میں رسول اللہ ایسا کہہ رہے ہیں کبھی صاف کہا کہ ہذیان میں کہہ رہے ہیں۔

ہفتم۔ حضرت عمر اس تحریری وصیت کو ضروری نہ سمجھتے تھے اور ضروری نہ ہونے کی دلیل یہ پیش کی تھی کہ کتاب اللہ ہمارے پاس موجود ہے اور وہ کافی ہے حسبنا کتاب اللہ۔

ہشتم۔ اول اس پر اعتراض کرنیوالے حضرت عمر تھے اور کسی کے نام کی تصریح کسی حدیث میں نہیں۔ ان کے کہنے پر حاضرین کی دو پارٹیاں ہوگئیں ایک وہ جو کہتے تھے کہ لاؤ قلم دوات کہ رسول اللہ وہ تحریر لکھدیں جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے اور بعض وہی کہتے تھے جو عمر کا قول تھا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کتاب اللہ کافی ہے۔

نہم۔ یہ اختلاف و منازعہ اور شور و شغب اتنا بڑھا کہ رسول اللہ کو غصہ آگیا اور آخر اس خلق مجسّم سے ضبط و تحمل نہ ہو سکا اور فرمایا کہ اٹھ جاؤ۔ میرے پاس سے۔ نبی کے سامنے ایسی لغو باتیں درست نہیں ہیں +

دہم۔ اگر آنحضرت صلعم۔ خاموشی اختیار نہ فرماتے اور متنازعین کو گھر میں سے نہ نکالتے تو معاملہ بہت بڑھ جاتا اور صورت واقعہ بتلا رہی ہے کہ یقیناً منازعہ مجادلہ بلکہ مقاتلہ سے بدل جاتا۔

اگر موافق پارٹی تحریر پر زور دیتی اور سامان تحریر رسول اللہ کے پاس پیش کرتی تو حجرۂ رسولؐ میدان کارزار بن جاتا۔ امت کے شفیق اور مصلحت بین ہادی اور ریفارمر نے معاملہ کو خاموشی سے ٹھنڈا کر دیا۔

یازدھم۔ حضرت عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ بن عتبہ۔ عبید اللہ بن عبداللہ۔ سعید بن جبیر وغیرہ جس سے یہ حدیث بیان کرتے تھے۔ اتنے روتے تھے کہ اشک زمین پر گرتے تھے۔ اور زمین کے سنگریزے آنسوؤں سے تر ہو جاتے تھے۔ خصوصاً عبداللہ ابن عباس۔ خدا جانے دوسرے صحاب کی جو اس وصیت کے منتظر تھے کیا حالت ہوگی۔

دوازدھم۔ اسی وقت اسی ساعت عبداللہ ابن عباس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ امت محمدی میں عظیم فتنہ و فساد و اختلاف کی بنیاد قائم ہوگئی اور اسی وقت باہر نکلتے ہوئے کہتے تھے سب مصیبتوں سے بڑھکر مصیبت یہی کہ رسول اللہ کے وصیت نامہ لکھنے میں حائل و حارج ہو گئے۔

سیزدھم۔ مانعین خوب جانتے تھے کہ رسول اللہ بالقصد والارادہ تحریر وصیت نامہ چاہتے ہیں۔ ورنہ قبل تحقیق امر و استفہام آپس میں جرح و قدح رد و بدل لعن و طعن اور چیخ و پکار کی ضرورت نہ تھی اگر یہ احتمال واقعی تھا کہ شاید غلبۂ مرض سے ایسا فرما رہے ہیں تو ضرور افاقہ کا انتظار کرتے اور بعد افاقہ باادب دریافت کرتے کہ یا حضرت حضور کا منشاء کیا ہے؟

چہاردھم۔ "حسبنا کتاب اللہ" کہنا جس کے صاف و صریح معنی یہی ہیں جو رسولؐ اللہ کہنا چاہتے ہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ ہمارے لئے کافی ہے اسکی دلیل ہے کہ حقیقتاً وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ واقعاً بالقصد والارادہ وصیت نامہ لکھنا چاہتے ہیں ورنہ عدم ضرورت وصیت نامہ کیلئے دلیل "حسبنا کتاب اللہ" کوئی معنی نہیں رکھتی۔

پانزدھم۔ بعض روایات میں ہجر و ہذیان کے نسبت کے ساتھ الف استفہام واقع ہوا ہے لیکن یہ وہاں جہاں بلفظ "قالوا" ہے۔ جہاں "قال عمر" یا قال بعضھم (یعنی عمر) ہے وہاں حرف استفہام نہیں ہے۔ جس کا صریح مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر کے انہ یھجر یا قد غلبہ الوجع کہنے پر ہذیان کی نسبت دینے پر دوسرے لوگوں نے یہ کہا کہ پوچھو تو سہی کہ واقعی ایسا چاہتے ہیں یا یہ ہذیان میں کہہ رہے ہیں تمام روایات کو غور سے ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ بنابریں بریت میں بحث استفہام غیر ضروری ہے اور استفہام انکاری سے تاویل کرنا بالکل لغو جیسا کہ ثابت کیا گیا۔ بلکہ ضرور اگر استفہام تھا تو اقراری ہی تھا اور اس کے یہ معنی ہیں کہ کیا یہ ہذیان نہیں ہے۔ اور جب تو ضرور حضرت بصحت ہوش و حواس و بالقصد والارادہ فرما رہے ہیں۔ پھر رد قول اور حسبنا کتاب اللہ کہنا دیدہ و دانستہ رسول اللہ

کی مخالفت اور ان سے مقابلہ کرنا ہے جو زیادہ فسیح ہے۔ علاوہ ازیں انکاری صورت میں بھی تو بہر حال رسول کی طرف ہذیان کی نسبت دی گئی ہے۔ رسول سے ظہور ہذیان کا امکان ثابت۔ استفہام انکاری کی صورت میں بھی لفظ کے معنی نہیں بدلجاتے۔ اب بھی یہ ہذیان ہی رہا +

شانز دھم۔ آنحضرت نے اس اختلاف و تنازع اس بیہودگی اور اس نسبت ہجر و ہذیان اور اس شور و غوغا کے بعد اس وصیت نامہ کو قطعاً غیر مفید سمجھا اور واضح ہو گیا کہ غرض وصیت نامہ اب حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ غرض یہ تھی کہ امت میں اختلاف اور اختلاف سے گمراہی پیدا نہ ہو اور اختلاف آنحضرت کے سامنے ہی پیدا ہو گیا اور دو پارٹیاں ہو گئیں۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ ضرور وصیت لکھی جائے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ ہرگز نہ لکھی جائے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کتاب اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اب اگر وصیت لکھی بھی جاتی تو یہی اختلاف رہتا اور دونو فریقین یہی کہتے رہتے اور عوام الناس کو کوئی فائدہ اس سے نہ ہوتا۔ کیونکہ مانعین و مخالفین صاف کہتے کہ یہ ہذیان کی حالت کی تحریر ہے اس کا کیا اعتبار۔ قرآن کافی ہے۔ چنانچہ ہمیشہ ایسے واقعات اب بھی ہوتے ہیں اور انکو ہر ذی فہم سمجھ لیتا ہے کہ اس تحریر کا اس نسبت ہذیان کے بعد کیا فائدہ ہو سکتا اب اگر ایک ہزار تحریریں بھی لکھوائی جائیں تو بھی بیکار محض تھیں۔ اسی واسطے رسول اللہ نے پھر کوشش نہ فرمائی۔ جو بات ہونی تھی ہو چکی جس فتنہ کے روکنے کا اہتمام تھا وہ واقع ہو گیا۔ سبق السیف العذل۔ اور ایسی حالت میں بقول بعض حضرات اگر حضرت علیؑ سامان تحریر پیش کر کے رسول اللہ سے ایسی حالت اختلاف تنازع اور شور و شغب میں کوئی تحریر لکھوا لیتے تو بآواز بلند یہ کہا جاتا کہ معاذ اللہ علیؑ نے ہذیان کی حالت میں لکھوائی ہے اور زبردستی دست مبارک نبوی سے دستخط کرا لئے۔ یہ قابل سند نہیں ہے۔ اور یہ بالکل واضح ہے پس نہ رسول اللہ اب ایسی غلطی کر سکتے تھے اور نہ علی مرتضیٰ۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ علی بھی وہاں اسوقت موجود تھے۔ گو روایات میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ حضرت عمر نے قد غلب علیہ الوجع یا انہ یھجر اور حسبنا کتاب اللہ کے الفاظ برمحل استعمال فرمائے ہیں۔ نہایت دانائی اور گہری دور اندیشی سے کام لیا ہے اور نہایت مختصر جملوں سے بڑی بڑی تحریرات و تصنیفات و تدبیرات کو مات کر دیا۔ آجتک یہ الفاظ مؤثر ثابت ہو رہے ہیں اور نتائج دے رہے ہیں۔

ہفتدھم۔ حضرت عمر نے نہایت دانائی سے رسول اللہ کے نبی ہونے اور ماننے سے ہذیان کی

نسبت دیکر انکار کر دیا ہے۔ اگر نبی کو ہذیان ہو سکتا ہے تو یقیناً کم سے کم وہ اس وقت حامل نبوت نہیں ہے۔ اور اس کی بات قابل اعتبار نہیں۔ اور اسی مقام سے مخالف مذاہب آج اعتراض کر رہے ہیں کہ جس نبی کو ہذیان ہو وہ یا ہمیشہ سے نبی نہ تھا یا اس وقت اس کی نبوت سلب ہو گئی تھی اور یہ قطعی بات ہے۔ ضرور حضرت عمر یا حضرت کو ہمیشہ سے نبی نہیں جانتے تھے۔ یا کم سے کم اس وقت جب ہذیان کی نسبت دے رہے تھے۔

ھجدھم۔ حضرت عمر کا جملہ ان الرجل لیھجر یا اس کا ہم معنی انتہائی توہین محمدی کا مشعر ہے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ نقل کفر کفر نباشد۔ اس کا ترجمہ صحیح یہی ہے۔ ہوں۔ مرد کہ ہذیان بک رہا ہے۔ ہمارے پاس کتاب اللہ موجود ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ وصیت کیسی؟ اور اس کی کیا ضرورت؟! اور اہل عقل جانتے ہیں کہ ایسے موقع احتضار پر نبی تو نبی معمولی شریف انسان کو بھی ایسے الفاظ میں خطاب نہیں کیا کرتے۔ یہ لفظ تو ایسے مواقع پر بولا جاتا ہے۔ جہاں اس شخص کو نہایت ذلیل وحقیر سمجھا جاتا ہو اور اس سے دشمنی وعداوت میں ایسے الفاظ میں خطاب کیا جائے۔ ہوں مرد کہ بکواس کرتا ہے۔ بیشک حضرت عمر رسول عربی کو ایسا حقیر وذلیل جانتے تھے۔ اور بارہا اس کا ان سے ظہور ہوا ہے۔ اور وہ یقیناً اپنے نفس کو آنحضرت سے بہتر سمجھتے تھے انکو غلط کار جانتے تھے۔ خطاوار سمجھتے تھے۔ بنی ہاشم کا بادشاہ جانتے تھے۔ اور بنی ہاشم کی محبت میں گمراہ۔ ہرگز وہ نبی عربی کو اس معنی میں نبی نہ جانتے تھے۔ جس میں دنیا کے مذاہب جانتے ہیں اور جو اسلام میں نبوت کے معنے ہیں اور سب باتوں پر انکا یہی مقولہ کافی روشنی ڈالتا ہے۔

نوزدھم۔ الفاظ حدیث حقیقۃً یہی ہیں۔ ان الرجل لیھجر مثلاً۔ لیکن چونکہ حضرات علماء اہل سنت حضرت عمر کو عملاً معصوم جانتے ہیں اور یہ جملہ ان سے یقیناً خلاف شان رسول صادر ہو گیا۔ اور پبلک میں شائع اور اس سے ان کے عقیدہ سے پردہ اٹھ گیا۔ لہذا وہ اس کی تاویل کرتے ہیں۔ اور تاویل معصوم ہی کے قول سے کی جاتی ہے۔ غیر معصوم کے قول کی تاویل کے کوئی معنی ہی نہیں جو الفاظ کے معنی ہیں وہی اس کا مفہوم ومطلوب ہے۔ لہذا اول تو ایسے اولیول نے الفاظ بدل کر لیھجر واھجر او ھجر وقد غلب علیہ الوجع سے تعبیر کیا اور جب اس سے کچھ حاصل نہ ہوا تو اس کے معنے میں تاویلیں کی ہیں اور آج تک کر رہے ہیں۔

نووی کہتے ہیں ہمزہ استفہام ہے۔ اور استفہام انکاری لیکن اوپر ہم نے بیان کیا کہ استفہام کی صورت میں بھی نسبت ہذیان رسول کی طرف ہو گئی۔ اور معنی ہذیان میں کوئی فرق نہیں پڑا استفہام

ہیں لفظ کے معنی نہیں بدلجاتے۔ اس کی نسبت رسول کی طرف بطور استفہام کرنے سے بھی یہی ثابت ہوا کہ رسول سے ہذیان صادر ہو سکتا ہے۔ اور یہی چیز قابل اعتراض ہے۔

یا کہتے ہیں کہ ملزوم بولکر عمر نے لازم مراد لیا ہے یعنی شدت درد مراد ہے اور شدت درد کو ہذیان لازم۔ ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی وہی بات رہی یعنی رسول سے ہذیان کا امکان فائدہ کیا نکلا۔ ہذیان ہوتا ہی شدت مرض سے ہے۔

یا کہتے ہیں کہ ہجر ہجرت سے ہے یعنی کیا رسول دنیا سے کوچ کر رہا ہے۔ مگر یہ دروغ گورا حافظہ نباشد کا مصداق۔ کیونکہ ہجرت کے معنی میں ہَجَرَ زبان عرب میں کبھی استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ اس معنی میں ہمیشہ ھاجر استعمال ہوتا ہے۔ اور یہی قرآن و حدیث میں بھی آیا ہے جیسا کہ سفر سے سَفَرَ نہیں استعمال ہوتا۔ سَافَرَ ہوتا ہے۔ اور اسطرح اس معنی میں "اَھُجَرَ" بھی غلط ہے اور اسلئے اس کے معنے سوائے فحش و ہذیان اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ جس کی نسبت حضرت عمر نے رسول کی طرف دیکر رسول کی سخت توہین کی ہے۔ اور نووی و کرمانی کی یہ تاویلات باطلہ صرف حسن ظن اور تعصب مذہبی اور مقتضائے محبت عمری پر مبنی ہیں۔

نیز اہل عقل سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ عمل عمر و اصحاب عمر صاف بتلا رہا ہے کہ یہاں استفہام کا امکان محال ہے۔ اگر استفہام منظور ہوتا تو وصیت رد کیوں کی جاتی۔ فافہم و تدبر۔

اسی طرح بعض خوش فہم اصحاب کا یہ فرمانا کہ حضرت عمر سے حادثہ وفات رسول کے احساس سے وحشت۔ دہشت میں ایسا کلمہ نکل گیا ہے۔ عکبری۔ شارح متنبی نے اس کے شعر

أانطق فیک ھجرا بعد علمی　　　بانک خیر من تحت السماء

کی شرح میں لکھا ہے۔ الھجر القبیح من الکلام والفحش و ھجر اذا ھذی وھو مایقولہ المحموم فی الحمی و منہ قول عمر ابن الخطاب عند مرض رسول اللہ ان الرجل لیھجر علی عادۃ العرب یعنی ہجر قبیح کلام اور فحش بات کو کہتے ہیں اور ھَجَرَ بمعنے ھذی ہے یعنی ہذیان بکنا جو بخار کی شدت میں بخار والا کہا کرتا ہے اور اس ھجر سے عمر بن الخطاب کا قول ہے جو اس نے مرض رسول میں رسول سے کہا "ان الرجل لیھجر" (بیشک یہ مرد کہ بذیان بک رہا ہے) عرب کی عادت کے موافق۔ انتہی۔ اس سے ثابت ہے کہ یہ چیز عربی علم ادب میں مشہور و معروف و مسلّم ہے کہ حضرت عمر نے مرض الموت میں رسول کو ہجر کی نسبت اور ان الرجل لیھجر کہا اور ھجر ہذیان کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ اور بس یہی اس کے معنے ہیں۔

سبحان اللہ! قبل از مرگ واویلا۔ اس وقت تو ایسی دہشت غالب ہوئی کہ عقل وہوش جاتے رہے۔ اور رسول کو ہذیان کی نسبت دینے لگے۔ مگر موت پر یہ دہشت رفع ہو گئی۔ اور تلوار لیکر سقیفہ میں جا کودے اور رسول کو بے گور وکفن چھوڑ کر بکر کی خلافت کا فیصلہ کر لیا۔ کیا موت رسول سے غم کرنے اور دہشت کھانیوالے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ خبر بھی نہیں کہ رسول کب دفن ہوئے اور کس نے کیا۔ یا کبھی سنا ہے کہ کوئی دوست دوست کی موت پر گھبرا کر اس کو گالیاں دینے لگتا ہے۔ بیٹا باپ کی موت پر وحشت زدہ ہو کر باپ کو ہذیان کی نسبت دیتا اور برا بھلا کہتا ہے؟

پر لطف بات یہ ہے۔ کہ حضرت عمر خود نہ اس نسبت ہذیان دینے سے انکار کرتے ہیں نہ استفہام انکاری بتلاتے ہیں نہ وحشت و دہشت پر اصرار کرتے ہیں۔ بلکہ صاف اقرار کرتے ہیں اور اپنے کئے پر مصر ہیں اور اپنے کو اپنی تدبیر میں کامیاب جانتے ہیں اور صاف فرماتے ہیں مصلحت سے میں نے ایسا کہا تھا اور وصیت سے رسول اللہ کو روک دیا تھا۔ اور مدعی سست و گواہ چست کی مثال یہیں صادق آتی ہے۔ اور "تاویل القول بما لا یرضی قائلہ"۔ اسی کو کہتے ہیں۔ واقعی مقلد محبت میں عقل کے اندھے ہو جاتے ہیں۔

بستم۔ اسی دن اس وقت اور اس جملہ عمری حسبنا کتاب اللہ کہنے اور رسول کو ہذیان کی نسبت دینے سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور رسول کے قول کی اس وقت تصدیق ہو گئی۔ اور یہ اختلاف ہزارہا مسلمانوں کی گمراہی کا موجب ہوا۔ اور یہ وصیت رسول کے رد کرنے سے ہوا۔ جو رسول نے کہا تھا اسکی تصدیق ہو گئی۔ وصیت لکھی جاتی تو گمراہ نہ ہوتے۔ نہ لکھی گئی تو گمراہ ہو گئے۔

علامہ شہرستانی باوجود متعصب سنی ہونے کے اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور یہہ لکھنے کے بعد کہ اول شبہ جو دیانت میں پیدا ہوا وہ شبہ ابلیسی ہے اور اول اختلاف اختلاف خلافت آدم۔ اور وہ حکم خدا کے مقابل اپنی رائے و قیاس پر عمل کا نتیجہ۔ اسی طرح مسلمانوں میں اول اختلاف ظاہری مرض الموت نبی میں رسول کے حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے و قیاس پر عمل کرنے سے پیدا ہوا۔ واول تنازع وقع فی مرضہ فیما رواہ محمد بن اسمٰعیل البخاری باسنادہ عن عبد اللہ ابن عباسؓ قال لما اشتد مرضہ الذی توفی فیہ الخ۔ وقال الواقدی کان المسلمون عند وفات النبی علی عقیدۃ واحدۃ وطریقۃ واحدۃ الا من کان یبطن النفاق ویظہر الوفاق ثم نشاء الخلاف بینہم وذلک کاختلافہم عند

قول النبی فی مرض موته ایتونی بقرطاس اکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعدہٗ حتیٰ قال عمر ان النبیؐ قد غلب علیہ الوجع حسبنا کتاب اللہ وکثر اللغط فی ذلک حتیٰ قال النبی قوموا عنی لا ینبغی عندی التنازع۔

آمدی نے کہا ہے کہ قرب زمانہ وفات رسول تک لوگ ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی طریقہ پر تھے۔ سوائے انکے جو منافق تھے۔ پھران میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ جیسے کہ رسول اللہ کے اس کلام کے وقت کہ میرے لئے کاغذ لاؤ کہ میں ایسی تحریر لکھدوں جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے تو عمر نے کہدیا کہ رسول پر مرض کی شدت ہے اور اس حالت ہذیان میں یہ کہہ رہے ہیں ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ وصیت نامہ کی ضرورت نہیں۔ اور آپس میں سخت تخالف تنازع اور شور و شغب ہوا اور نبی کو یہ کہنا پڑا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ میرے پاس شور و شغب کرنا اور جھگڑنا درست نہیں (بحوالہ واشح سماویہ)

بس دیکھو۔ ہذیان کی نسبت کے علاوہ خود یہ شور و شغب و تنازع و مخاصمہ ہی ثابت کرتا ہے۔ کہ اس جماعت کے دل میں رسول کی کوئی وقعت و حرمت نہ تھی۔ یا اس وقت سے حرمت رسول مفقود ہو گئی تھی۔ ورنہ کیا کبھی سنا ہے کہ کوئی جماعت رعیت اپنے بادشاہ کے سامنے ایسی لغو حرکت کر سکتی ہے اور ایسے نازک وقت میں جبکہ ذرا بلند آواز بھی بلا شبہ ایسے مریض کی اذیت کا باعث ہوتی ہے۔ اگر وہ ایسا کرے تو بلاشبہ بد تہذیب باغی و سرکش رعیت کہلائیگی خصوصاً جبکہ اس بد تہذیبی کے ساتھ اس کے حکم کو رو برو رد کر دے اور صاف انکار کہ ہمیں تمہارے اس حکمنامہ کی ضرورت نہیں ہے۔

رسول کے گھر میں بیٹھکر فضول باتیں کرتے رہنا ہی موجب اذیت رسول ہے۔ وذلک کان یوذی النبی تو اس کے پاس بیٹھکر جھگڑنا شور و شغب کرنا اور وہ بھی اس کے حکم کی اطاعت سے انکار کرنے میں کتنا اذیت دہ ہو گا؟ اور وہ بھی شدت مرض میں۔

اور رسول کو اذیت پہنچانا نقص ایمانی کی دلیل ہے اور لعنت ابدی کا موجب۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (توبہ ۷) اور جو لوگ رسول اللہ کو اسطرح اذیت پہنچاتے ہیں انہی کے لئے دردانگیز عذاب جہنم ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔ بیشک جو لوگ خدا ور رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ دنیا و آخرت میں انپر خدائی لعنت ہے

اور ان کیلئے ذلیل و خوار کرنے والا عذاب اس نے تیار کر رکھا ہے۔ جو لوگ مومنین مومنات کو تہمت لگا کر اذیت پہنچاتے ہیں وہ سخت گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو معصوم پیغمبر کو ہذیان کی تہمت لگانے والے کس عذاب و لعنت کے مستحق نہ ہونگے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (احزاب ع) اور وہ لوگ جو مومنین و مومنات کو ان کئے کی تہمت لگاتے ہیں تو بیشک وہ سخت بہتان اور گناہ کے مرتکب ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذالک اس سے اس قول کی لغویت بھی ثابت ہو گئی کہ حضرت عمر نے اس لئے رسول کو روکا تھا۔ کہ حضرت کو اس شدت مرض میں وصیت لکھوانے میں اذیت ہوگی۔ کیونکہ وصیت لکھوانے میں یقیناً اذیت نہ تھی وہ خود لکھواتے اور لکھوا سکتے تھے۔ اذیت اس کو رد کرنے سے ہوئی۔ اور نتیجہ برعکس نکلا۔

حدیث قرطاس اور ملا محمد یعقوب لاہوری کا فیصلہ۔ خیر جاری شرح صحیح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں۔ لاشك فی ان رسول اللہ رای المصلحة فی کتابة الکتاب بدلیل قوله لن تضلوا بعدی۔ ولاشک ایضا ان عمر نهی الاصحاب عن احضار الدوات والقلم ولاشک ایضا ان اهل البیت الحوا علی احضارهما وطال النزاع بین الفریقین حتی اخرجهم النبی جمیعا وهذا القدر مما یتبادر الی الذهن من نص الحدیث ولا یرتاب فیه احد۔ اس میں شک نہیں کہ رسالتمآب کے نزدیک اس تحریر کے لکھانے میں ضرور مصلحت تھی جو آپ کے لفظ "لن تضلوا بعدی" سے صاف ظاہر ہے۔

اور اس میں بھی شک نہیں کہ عمر نے اصحاب کو قلم دوات لانے سے منع کیا۔ اور اس میں شک نہیں کہ اسوقت جو گھر میں موجود تھے وہ قلم دوات لانے پر سخت مصر تھے اور اسی وجہ سے فریقین میں سخت اختلاف و تنازعہ ہوا۔ یہاں تک کہ نبی نے ان سب کو نکلوا دیا اور بس اتنی بات نص حدیث سے حقیقةً ذہن میں آتی ہے جس میں کسیکو شک نہیں ہو سکتا۔ انتہیٰ ہم کہتے ہیں۔ کہ یوں بھی کہئے کہ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر نے ضرور رسول اللہ کو ہذیان کی نسبت دی اور نبوت کو ذلیل کر دیا اور ہجر کے بس یہی معنی ہیں۔

بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔ ومن جملة تنازعهم ردهم علیه الخ اور من جملہ تنازع اصحاب و قول رسول ہے اور یہی معنی اس جملہ حدیث کے ہیں کہ فذهبوا یردون علیه ویردی یردون عنه۔ ای عما قاله۔ اسیواسطے رسول نے فرمایا کہ بس مجھے اسحالت میں رہنے دو جس

میں ہوں وہی اب میرے لئے اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو۔ یعنی ترک ترک کتابت وصیت ونزاع اور اسی واسطے ابن عباس کہتے تھے مصیبت ہائے مصیبت کہ رسول اللہ کی وصیت میں حائل ہو گئے اور اس کو نہ ہونے دیا اور امت گمراہی میں پڑ گئی۔ اور چند لمحہ کے بعد آپ پھر گویا ہوئے اور تین اور وصیتیں فرمائیں مثلاً مشرکین کو عرب سے نکال دو۔

قرآنی فیصلہ

ان بیانات استدلالیہ سے بھی اس کے ثبوت میں کوئی شک باقی نہیں رہا۔ کہ حدیث قرطاس صحیح متواتر ہے اور ضرور حضرت عمر نے حضرت رسالتمآب کے حکم کو رد کیا اور ہذیانی کہکر سخت توہین رسالت کی۔ رسول روز قیامت اسی کی شکایت فرمائینگے اور زبان قدرت سے آیۂ ذیل اسی حقیقت کی طرف ناظر ہے۔ "قَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا"۔ رسول کہیگا اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو ہذیان کہا۔ اور معاذ اللہ لغو قرار دیا۔

رسول کی شان ماینطق عن الھویٰ ہے اور قرآن اس کی وحی۔ گویا قدرت کی طرف سے جو زبان رسول سے نکلتا ہے۔ قرآن ہے۔ اور یہ وصیت کے الفاظ بھی اسی زبان سے نکلے تھے اور اسی خبر کے متعلق جو قرآن میں مذکور ہے۔ اور بلا شبہ بحکم خدا نکلے تھے۔ حضرت عمر نے اسکو ہذیانی بکواس کہدیا۔ مہجور ھُجر کا مفعول ہے اور معنی صاف ظاہر۔ اب کس کی مجال ہے جو انکار کرے کہ حضرت عمر نے رسول کو ہذیان کی نسبت دی تھی۔ اور رسول کو اس کی شکایت تھی اور ایسا کرنا رد قرآن اور انکار اتباع قرآنی۔

بعض حضرات اس کی یہ تاویل کرینگے کہ مہجور ھجر کا بھی مفعول ہے۔ اور یہاں وہی معنی مراد ہیں لیکن اس سے در اصل ہمارا ہی مدعا ثابت ہے۔ کہ رسول کا یہ کہنا کہ پروردگار میری قوم نے قرآن مہجور و متروک بنا دیا ہے۔ اور تیرے حکم کو چھوڑ بیٹھی۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آیت قرآن کو ترک کر بیٹھی یعنی اس کی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ جو میں کہتا تھا وہ نہ مانا اور یہی ہذیان کہکر حکم رسول ترک کرنے کا نتیجہ ہے۔ لہذا بات ایک ہی رہی۔ ہذیان سے نجات محال ہے فتفکر فیہ فانہ دقیق۔

تکملہ

یہاں حضرت عمر کی بریت میں یہ شبہ پیدا کرنا یا کہئے کہ حضرت رسول مقبول پر صریح اعتراض کہ جب آیۂ اکملت لکم دینکم الآیہ نازل ہو چکی اور دین اس سے یکمل تو اب کونسی دینی بات باقی رہ گئی تھی جسکو رسول کہنا یا لکھوانا چاہتے تھے۔ لہذا اس

وصیت کی ضرورت نہ تھی اور رسول درصل ایسا کہنے میں غلطی کر رہے تھے۔ اسیواسطے عمر نے
ان کو روک دیا۔ خدا و رسول دونوں ہی کی توہین ہے اور وہی بات جو ہجر کی نسبت ہم کہہ چکے ہیں کیونکہ
تکمیل دین و اتمام نعمت کے یہہ معنی ہیں کہ نزول قرآن ختم ہو گیا۔ اب کوئی آیت نازل نہ ہوگی اور
کوئی نئی شریعت اب اور اس کے بعد بھی نازل نہ کی جائیگی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ رسول
آج سے معزول کردیا گیا اور اس کی تبلیغ سلب کرلی گئی۔ اور زبان بند کردیگئی اب وہ قوم کو کچھ نہ
کہیگا اور ان کو نصیحت یا وصیت نکریگا۔ تنزیل بند ہوئی ہے نہ تبلیغ۔ تنزیل خدا کا کام ہے وہ ختم ہو گیا
تبلیغ رسول کا کام ہے وہ ہوتا رہیگا جبتک رسول میں دم ہے آخری سانس تک وہ ہادی ہے مبلغ ہے۔ مذکر ہے ناصح
ہے بلکہ آخری وقت نصیحت و وصیت و تذکیر و تذکر واجب و لازم ہے اور وصیت تو انہی امور کی ہوا کرتی ہے
جو وہ کرتا رہا ہے اور جس کو وہ آئندہ باقی اور جاری رکھنا چاہتا ہے۔ وصیت کیلئے یہ کب ضروری
ہے کہ وہ ایسی بات ہو جو پہلے نہ کہی اور نہ کی گئی ہو۔ چنانچہ رسول نے اس آخری وقت اور عین اس
وقت میں جس کو حضرت عمر اینڈ کو ہذیان کہہ رہے ہیں۔ بہت سی نصیحتیں کی ہیں اور ان میں کوئی
نئی بات نہ تھی۔ کہے ہوئے کو آخر وقت دوہرا رہے تھے اور وصیت فرما رہے تھے۔

علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ جلد دوم میں لکھتے ہیں (مرض النبی) ..... مرض الموت

ثم جمع رسول الله اصحاب۔ فرحب بهم
وعیناه تدمعان ودعالهم کثیراً۔ وقال
اوصیکم بتقوی الله واوصی الله بکم
واستخلفه علیکم واودعکم الیه۔ انی
لکم بشیر نذیر الا تعلوا علی الله فی بلاده
وعباده فانه قال لی ولکم تلك الدار
الاخرة نجعلها للذین لا یریدون علواً
فی الارض ولا فساداً والعاقبة للمتقین
الیس فی جهنم مثوی للمتکبرین۔ ثم
سألوه عن مغسله قال الادنون من
اهلی۔ وسألوه عن الکفن فقال فی ثیابی
هذه او ثیاب مصر او حلة یمانیة و

میں آنحضرت نے اصحاب کو اپنے پاس اکٹھا کیا انکو
خوش آمدید کہا جبکہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری
تھے اور انکو بہت دعائیں دیں اور فرمایا میں تمکو
پرہیزگاری کی وصیت کرتا ہوں اور تمکو خدا کی
سپرد کرتا ہوں اور اپنے بعد اس کو تمپر محافظ
چھوڑتا ہوں اور اسکو تمہیں دیتا ہوں۔ کہ میں
ہی تمہارے لئے رسول بشیر و نذیر ہوں کہ خدا
کے ملکوں اور بندوں میں خدا پر علو حاصل نہ کرو
متکبر و متسلط نہ بنو۔ کیونکہ اس نے مجھکو اور تمکو کہا ہے
کہ یہ دار آخرت ہم نے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے
جو زمین میں سربلندی اور تسلط نہیں چاہتے۔ اور
فساد نہیں کرتے اور انہی کا انجام بخیر۔ کیا جہنم

سألوه عن الصلوٰة عليه فقال ضعوني على سريري في بيتي على شفير قبري ثم اخرجوا عني ساعة حتى تصلي على الملائكة ثم ادخلوا فوجاً بعد فوج فصلّوا وابتدءٔ اهلي ثم نساءهم وسئلوا عمن يدخل القبر فقال اهلي ثم قال ائتوني بدواة وقرطاس اكتب لكم كتاباً لا تضلوا بعدى فتنازعو فقال بعضهم اهجر يستفهم ثم ذهبوا يعيدون عليه ثم قال دعوني فما انا فيه خير لي مما تدعونني اليه فاوصى بثلث وقال ان اخرجوا المشركين من جزيرة العرب وان اجيزوا الوفد كما اجيزهم و سكت عن ثالثة او نسيها الراوي۔

متکبر دل ہی کی نشستگاہ نہیں ہے۔ پھر صحابہ نے آپ کے غسل کی بابت پوچھا تو فرمایا میرے قریبی رشتہ دار اہل بیت غسل دیں۔ پھر کفن کی بابت دریافت کیا تو فرمایا کہ میرے انہی کپڑوں میں مجھکو کفن دیا جائے یا مصری کپڑوں میں یا یمنی حلّے میں اور نماز کی بابت پوچھا تو فرمایا کہ مجھکو میرے تابوت میں اسی گھر میں قبر کے کنارے رکھو۔ اور پھر تم گھڑی بھر کیلئے باہر نکل جاؤ کہ پہلے فرشتے مجھ پر نماز پڑھ لیں پھر تم گروہ گروہ داخل ہو اور نماز پڑھو۔ اور پہلے میرے اہل بیت پڑھیں اور پھر انکی عورتیں پھر تم لوگ اور پوچھا کہ آپ کو قبر میں کون اُتارے تو فرمایا میرے اہل بیت پھر فرمایا اب میرے لئے تم دوات اور کاغذ لاؤ کہ میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھدوں جس کے بعد تم ہرگز کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ تو لوگوں نے تنازعہ شروع کر دیا۔ اور بعض نے کہدیا سمجھو تو کیا یہ ہذیان میں کہہ رہے ہیں پھر کچھ لوگ آپ کی بات لوٹانے اور آپکا قول رد کرنے لگے تو فرمایا جانے دو میں جس حالت میں ہوں اور جو کہہ رہا اور کر رہا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم بلاتے ہو (نزاع اور ترک تحریر وصیت) پھر آپ نے تین وصیتیں کیں۔ ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔ دوسرے یہ کہ جو وفود دیگر اقوام اور دیگر ممالک سے آئیں تو انکو اسی طرح سے اکرام و انعام کے ساتھ بھیجو جس طرح میں بھیجتا تھا۔ اور تیسری وصیت سے آپ خاموش ہو گئے یا آپنے بیان کر دی تھی مگر راوی بھول گیا۔

اس بیان و تحریر علامہ سے یہ امور واضح ہیں:۔

الاول۔ حضور انور نے مرض الموت میں بہت سی وصیتیں کیں اور مسلمانوں نے انکو قبول اور تسلیم کیا۔ اور آیۂ تکمیل دین کے نزول کو کافی اور ہدایت و نصیحت رسول سے مستغنی نہیں سمجھا۔ جیسا کہ آج زیور شرم و حیا سے عاری علماء سمجھ رہے ہیں۔

[illegible]

نہ کہا کہ معاذ اللہ یہ ہذیان کی باتیں ہیں اور رسول شدت مرض میں یہ کہہ رہا ہے۔

الثالث۔ لفظ دوات اور کاغذ آتے ہی بعض اصحاب کا رنگ بگڑ گیا اور وہ رسول جو ابھی ہدایات فرما رہا تھا۔ اور احکام دین تعلیم دے رہا تھا۔ اور آخری وصیت کر رہا تھا۔ اب ہذیان میں مبتلا بتلا دیا گیا اور کہنے والے نے کہہ دیا "ان الرجل لیھجر"۔ بیشک یہ شخص ہذیان بک رہا ہے تاکہ اختلاف پڑ جائے اور اختلاف کی صورت میں بات رہ جائے اور وصیت نہ لکھی جائے اور اگر لکھی بھی جائے تو بیکار و بے وقعت ہو جائے۔

اگر معاذ اللہ ہذیان رسول کو ہو سکتا ہے تو اسی وقت وہ یہ وصیتیں بھی کر رہا تھا وہ ہذیانی کیوں نہ کہی گئیں۔ طلب قرطاس فوراً کیوں ہذیان بنگئی؟ نہیں ہذیان نہیں۔ رسول کی ذات اس سے پاک ہوتی ہے۔ یہ سیاست عمری تھی۔ وہ منشائے رسالت کو سمجھے ہوئے تھے اور مقتضائے وصیت کو خوب پہچانتے تھے۔ دیدہ و دانستہ رسول کو ہذیان کی نسبت دیکر اس اہم وصیت سے روک دیا جو انکے منشائے قلبی کے خلاف ہونے والی تھی اور جس کے بعد وہ اپنی سیاست کو جاری نہ کر سکتے تھے۔ اور انکا آئندہ پروگرام سب اُلٹ جاتا تھا۔

الرابع تجہیز و تکفین رسول کی وصایا کو اسیطرح ادا کیا یا کرایا گیا۔ جس طرح رسول نے وصیت کی تھی۔ اور اہل بیت رسول نے غسل تکفین اور تدفین رسول کے فرائض ادا کئے اور کسی صحابی نے یہ نہ کہا کہ تمہارا حق نہیں۔ رسول ہذیان کی حالت میں تمہارے لئے یہ وصیت کر گیا تھا۔ کیونکہ اس سے اُن کے آئندہ پروگرام میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔

الخامس۔ اس کے ضمن میں یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ رسول اس حالت میں مسجد میں تشریف لیگئے اور حضرت ابو بکر کو ہٹا کر جو حضرت عائشہ کی حسن سیاست سے آگے بڑھ گئے تھے رسول نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی اور نماز رسول صحیح قرار پائی۔ ورنہ اگر رسول کو مرض الموت میں ہذیان ہوتا ہے تو یہ نماز بھی ہذیانی ہی سمجھنی چاہیئے تھی اور سب مسلمانوں کو اس کا اعادہ لازم۔ بلکہ اسی وقت مسجد سے نکل جاتے کہ رسول تو ہذیان کی نماز پڑھا رہا ہے اور یہ وہی نماز تھی جس کے لئے بار بار فرمایا تھا میرے حبیب کو بلاؤ میرے حبیب کو بلاؤ کہ وہ نماز پڑھائے اور حضرت عائشہ نے اپنے حسن تدبیر سے حضرت ابو بکر کو مسجد میں بھیجا اور امام جماعت بنا کر کھڑا کر دیا۔ اور اس وجہ سے اس تکلیف کے عالم میں حضرت علی او فضل بن عباس کے کندھوں پر سہارا دیکر اور گھسٹ کر مسجد جانا پڑا اور خود نماز پڑھائی اور آج حضرات اس سیاست حضرت عائشہ سے فائدہ اٹھارہے

ہیں اور کہتے ہیں رسول اللہ نے ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ اور امام جماعت بنایا تھا اور اس پر یہ خوش فہمی کہ یہ دلیل ہے کہ رسول انہی کو اپنے بعد خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔

اگر واقعاً ایسا ہوا تھا اور رسول نے اس عالم مرض الموت میں جس میں ہذیان ہوتا ہے ابوبکر کو حکم دیا تھا۔ تو بس یہ ہذیانی بات تھی وہ سند و دلیل کیسے ہوگئی؟

یعنی حدیث قرطاس سے قبل کی بھی وصیت رسول صحیح تسلیم کرلیگئی اور اس کے بعد کی بھی لیکن درمیان میں حدیث قرطاس کو ہذیانی کہدیا گیا۔ تو یقیناً حضرت عمر نے دیدہ و دانستہ اس وصیت خاص کو روکنے کیلئے رسول کی یہ توہین کی تھی۔ اور یہ پروگرام گویا پہلے سے ذہن میں تھا اور بہت گہری بات تھی یعنی وہ اپنے خلاف منشار رسول کا کوئی حکم ماننے کو تیار نہ تھے اور یہی انکار دین و مذہب تھا اور اطاعت رسول کو واجب نہ جانتے تھے اور اس سے ان کے ایمان کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اور یہ واقعہ اس کا آئینہ ہے۔ اور حضرات علمار اسی ایمان عمر کو سنبھالنے کیلئے حدیث کا انکار یا اس کی تضعیف یا اس کی تاویل کرتے ہیں۔ ورنہ واقعہ صاف اور واضح ہے۔ اور نتیجہ ظاہر۔ فافہم وتدبر۔

رسول اللہ کیا چاہتے تھے؟

ہم اس خوش عقیدتی کے تو قائل ہو ہی نہیں سکتے کہ یہ کہدیں کہ کوئی فرد امت پیغمبر امت سے بڑھکر امت کا شفیق انکی بہبودی کا جاننے والا۔ ان کی مصلحت کا پہچاننے والا ہو سکتا ہے۔ امت ناقص العقل۔ نبی کامل العقل۔ امت غیر معصوم۔ نبی معصوم۔ امت "ما اوتیتم من العلم الا قلیلا" کا مصداق۔ نبی "علمك مالم تكن تعلم" کا مصداق اور اس کتاب مبین کا حامل جس کی شان "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" ہے۔ نبی کا علم علم لدنی موہبتی بالہام وحی الٰہی۔ امت کا علم کسبی و اکتسابی۔ ناقص و محدود۔ نبی نور بحت۔ امت ظلمت محضہ۔ نبی مظہر خدا۔ امت بندہ دنیا۔ نبی حرص و ہوا سے پاک۔ امت ہوا و ہوس کا پتلا کیونکر ممکن ہے کہ کوئی امتی نبی امت سے بڑھکر امت کا مصلحت داں ہو جائے۔ ایسا کہنا اور اس کا قائل ہونا صاف اور صریح الفاظ میں نبوت سے انکار کرنا بلکہ نبی کے ساتھ خدا کو بھی (معاذ اللہ) جاہل و سفیہ بنانا ہے کہ وہ ایسے نبی کو امت پر حاکم بنا تاہے۔ اور حکم دیتا ہے کہ جو کچھ یہ کہے یا کرے وہی تم کہو اور کرو۔ "ما اتکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا" "وصلوا علیہ وسلموا تسلیما"۔ "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ"۔ چنانچہ قاضی عیاض قائل ہیں کہ قد تقررت عصمتہ فی اقوالہ فی جمیع

احوالہ وانہ لایصح منہ فیھا خلف ولا اضطراب فی عمد ولا سھو ولا صحۃ ولا مرض ولا جد ولا مزح ولا رضی ولا غضب یعنی آنحضرت کا ہر حال میں ہر قول میں معصوم ہونا مسلّم ہے اور کسی بات میں خلاف ورزی یا بے ضابطگی ممکن نہیں نہ عمداً نہ سہواً نہ صحت میں نہ مرض میں نہ واقعی طور پر اور نہ مزاحاً نہ خوشی کی حالت میں اور نہ غیظ و غضب کی حالت میں۔
بنابریں آپ جو فرماتے تھے اور جو کچھ چاہتے تھے وہ حق تھا عین صدق تھا عین ہدایت تھا۔ عین حکم خدا تھا اور ضرور بالضرور وصیت ایسی ہی ہوتی کہ اس کے بعد ہرگز ہرگز امت گمراہ نہ ہوتی۔ لیکن یہ کہ وہ کیا ہوتی حضور صلعم کیا کہنا چاہتے تھے اسکی حقیقت کو یا تو رسول اللہ جانیں یا خدا جانے یا اور صاحبان علم لدنی ہم تو جب ہی جانتے جب وہ واقع ہو جاتی۔ ہاں اتنا صریحاً معلوم ہے کہ وہ امت کی ہدایت کیلئے تھی اور ایسی ہی چیز تھی جس پر امت کی ہدایت موقوف تھی اور اس کی تشریح آئندہ خود معلوم ہو جائیگی۔
بخاری۔ صاحب مدارج اور تحفہ اثنا عشریہ کے مواقق تو ایک روایت اہل سنت میں یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کی خلافت کی تصریح فرمانی چاہتے تھے اور صاحب تحفہ بطور طنز فرماتے ہیں کہ خوش عقیدہ اہل تشیع یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کو تحریر میں لانا چاہتے تھے۔ ہم دونوں کا امکان فرض کئے لیتے ہیں ممکن ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کی خلافت کو تحریر فرمانا چاہتے ہوں۔ ولا حجر فی الامکان لیکن حضور کے الفاظ کا مقصود یہ ہے کہ اس وصیت کے بعد امت ہرگز گمراہ نہ ہوگی اور امت میں اختلاف نہ پڑیگا۔ کیونکہ یہ اختلاف عین گمراہی ہے۔ پس اس امکان کی صورت میں مدعا یہ ہوا کہ اگر حضرت ابوبکر خلیفہ ہو جاتے تو امت گمراہ نہ ہوتی۔ منشاء وصیت یہی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بقول جمہور حضرت ابوبکر ہی خلیفۃ المسلمین ہوئے۔ مگر اختلاف بڑھا۔ یہاں تک کہ آجتک بڑھ رہا ہے۔ امت محمدی کے تہتر فرقوں میں سے بہتّر گمراہ اور ضال ہیں اگر یہ صحیح ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کو تحریر فرمانا چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کے بعد گمراہ نہ ہوگے تو معاذ اللہ آنحضرت کا خیال بالکل غلط نکلا حضرت ابوبکر خلیفہ بھی ہوئے اور امت گمراہی سے نہ بچی۔
اب دوسرا احتمال یہ ہے کہ مثلاً آنحضرت علی کی خلافت چاہتے تھے اور مدعا یہ نکلا کہ اگر علی نمبر اول خلیفہ اور جانشین برحق پیغمبر مان لئے جاتے تو امت گمراہی سے بچ جاتی اور بنا بر مسلمہ جمہور (اسلام و اہل سنت) حضرت علی بعد رسول اللہ خلیفہ نہیں ہوئے۔ اور امت میں گمراہی ضرور واقع ہوئی اور ہو رہی ہے تو یہ احتمال ابھی اور امکان بجائے خود باقی ہے کہ ممکن ہے کہ اگر حضرت علی خلیفہ ہو جاتے

تو امت گمراہ نہ ہوتی۔ اور اس امکان کا کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر کیا تعجب ہے کہ رسول اللہ ایسا ہی چاہتے ہوں۔ اور بیشک ایسا ہی تھا۔

حضرت عمر منشاء رسول اللہ کو سمجھتے اور مصلحت رسول کو جانتے تھے

اس بیان کے مختصر کرنے کیلئے ہم خیال کرتے ہیں کہ خود حضرت عمر کا خیال کافی ہے۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں ابن عباس رضی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت عمر کی خلافت کے زمانے میں اُنکے پاس گیا تو ایک صاع (قریب ساڑھے تین سیر) خرمے سامنے پڑے ہوئے تھے میری بھی تواضع کی اور خود کھلائے اور پانی کی ٹھلیا پی کر تکیہ لگا کر بیٹھے۔ حمد خدا بجالائے اور مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہاں سے آرہے ہو۔ میں نے کہا مسجد سے۔ پوچھا تمہارے ابن عم کیا کرتے ہیں۔ چونکہ میں یہ سمجھا کہ عبداللہ ابن جعفر کو پوچھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ اپنے ہم سنوں میں کھیلتے ہیں۔ کہا نہیں میں تمہارے بزرگ اہلبیت کو پوچھتا ہوں یعنی علی کو۔ کہا وہ نخلستان میں پانی دینے میں مشغول ہیں اور قرآن پڑھ رہے ہیں۔ اے عبداللہ اونٹوں کا خون تمہاری ہی گردن پر ہو اگر تم چھپاؤ سچ بتاؤ کہ اب بھی علی کے دل میں خلافت کا کچھ خیال ہے۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ کہا کیا انکا خیال ہے کہ رسول اللہ نے ان کی خلافت پر نص فرمائی ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں وہ یہی سمجھتے ہیں اور میں اس سے بھی کچھ زیادہ کہتا ہوں کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار عباس سے علی کے اس دعوے کی بابت پوچھا تو انہوں نے کہا علی سچ کہتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا ہاں بعض اوقات رسول اللہ سے ان کے حق خلافت میں ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں جو قطعی دلیل ہیں اور کبھی کبھی رسول اللہ علی کی محبت میں حق سے باطل کی طرف مائل ہو جاتے تھے اور بیشک رسول اللہ نے مرض الموت میں یہ چاہا کہ وہ علی کے نام کی تصریح کر دیں میں نے اسلام کی حفاظت اور امت پر شفقت کے لحاظ سے رسول اللہ کو منع کیا اور رد کر دیا۔ پس رسول اللہ نے معلوم کر لیا کہ میرے دل میں کیا خیال تھا اور میں کیوں مانع تھا اور تحریر سے باز رہے۔

ایضاً۔ عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شام کے سفر میں حضرت عمر کے ساتھ تھا کہ تنہائی میں مجھ سے کہنے لگے کہ اے ابن عباس میں تمہارے ابن عم کی شکایت کرتا ہوں کہ میں نے اُن سے خواہش کی کہ وہ بھی میرے ساتھ آئیں نہ آئے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ علی ہمیشہ مجھ سے عداوت رکھتے ہیں اور ناراض رہتے ہیں۔ ان کے غیظ و غضب کا کیا باعث ہے۔ میں نے کہا کہ آپ خود بہتر جانتے ہیں۔ کہا۔ میرا گمان ہے کہ وہ ہمیشہ غمگین رہتے ہیں کہ خلافت انکے ہاتھ سے نکل گئی۔ عرض کیا ہاں یہی بات ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ رسول اللہ چاہتے تھے کہ وہ خلیفہ ہوں۔ کہا اے

ابن عباسؓ جب خدا نہ چاہے تو رسول کے چاہے سے کیا ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ نے ایک بات چاہی خدا نے اور بات چاہی جو خدا نے چاہا وہی ہوا۔ کیا جو رسول چاہے خدا بھی ہمیشہ وہی چاہے ؟ اے ابن عباس رسول خدا مرض الموت میں چاہتے تھے کہ علی کے نام کی تصریح کر دیں میں مانع ہوا کہ مبادا فتنہ کھڑا ہو جائے اور اسلام پراگندہ ہو جائے اور رسول اللہ بھی میرا منشا سمجھ گئے۔ اور پھر تصریح نہ کی اور وہی ہوا جو خدا نے لکھ دیا تھا۔

ایضاً۔ علامہ موصوف خلافت و امامت امیر المومنین علی ابن ابی طالب پر بہت احادیث و روایات درج کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ان تمام احادیث کو میں نے ابو جعفر کو سنایا کہا ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے حضرت علی کی خلافت کی نص فرما دی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری جانب یہ گمان ہوتا ہے کہ باوجود نص کے صحابہ نے کیوں مخالفت کی اور ردّ قول رسول اللہ پر اجماع کیا۔ ابو جعفر نے بہت سے مقامات گنائے جہاں حضرت عمر نے رسول اللہ کے قول کو ردّ کیا ہے۔ اور مخالفت کی ہے۔ اور بعد ازاں اسی واقعہ قرطاس کا ذکر کر کے کہا کہ کوئی اور مثال بھی موجود نہ ہو تو یہی واقعہ کافی ہے کہ عمر نے اسی دن رسول اللہ کے قول کو ردّ کیا اور عجب تر بات یہ ہے کہ عمر کے حسبنا کتاب اللہ کہنے پر صحابہ دو گروہ ہو گئے۔ ایک رسول اللہ کی تصدیق کرتا تھا اور کہتا تھا۔ کہ ہاں تحریر ہونی چاہئے اور دوسرا عمر کی تائید کرتا تھا اور کہتا تھا کہ نہیں۔ کتاب اللہ کافی ہے اور پیغمبر کو ہذیان ہو گیا ہے۔ اور رسول اللہ کو لوگوں نے عمر کے بالمقابل معمولی شخص خیال کیا۔ اور جب بہت شور و شغب ہوا تو رسول اللہ نے فرمایا کہ دور ہو یہاں سے۔ کیا اس کے بعد نبوت کی کوئی شان اور فضیلت باقی رہ جاتی ہے ؟ کہ کوئی قول رسول اللہ کو رد نہ کرے۔ جبکہ حضرتؐ کے سامنے مسلمانوں میں سے ایک پارٹی قول رسول خدا کو ترجیح دیتی ہے اور دوسری قول عمر کو قول رسول خدا پر ترجیح دیتی ہے اور وہی ہوتا ہے جو عمر چاہتا ہے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی کسی سے یہ جرأت ایمانی نہ ہوئی جو کہے کہ اے عمر یہ کیا کہہ رہے ہو اور رسول خدا کے اس قول کو ردّ کر رہا ہے۔ اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بعض صحابہ کا سلوک رسول اللہ کے ساتھ کیا تھا (منار الہدیٰ و درالنظیم)

یہی ابن ابی الحدید یوں بھی روایت کرتے ہیں:۔

قال ابوبکر و حدثنا ابو زید عن جعفر بن محمد عن ابیه عن ابن عباس قال مر عمر بعلی و عنده ابن عباس بفناء داره فسلم. قال این ترید قال مالی منتبع. قال افلا تصل جناحك وتقوم معك فقال لابن عباس قم معه فقام معه قال فشبك اصابعه فی اصابعی ومضی حتی اذا

خلفنا البقیع قال یا ابن عباس اما واللہ ان کان صاحبك اولی بالامر بعد وفاۃ رسول اللہ صلعم الا انا خفنا علی الاثنین قال ابن عباس فجعل یتمطق ثم اخذ یدافعه عن مسئلته عنه فقلت یا امیر المومنین ماھما قال خشیناہ علی حداثة السن وحبه بنی عبد المطلب

اس میں تصریح ہے کہ حضرت عمر خوب جانتے تھے کہ علی ہی بعد رسول اللہ سب سے زیادہ مستحق خلافت ہیں اور انہیں اس کا خطرہ تھا اور اسی واسطے رسول اللہ کو روکا کہ مبادا رسول اللہ اسی وصیت میں تصریح کردیں اور ہماری تدبیر بیکار ہو جائے اور خلافت نبوت کے ساتھ پھر خانہ رسالت میں جمع رہے۔ ابن ابی الحدید جلد ا صہ ۲۲۵ قلمی۔

ایضاً۔ عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ بعد انکار عمر آنحضرت غضب ناک ہوئے اور کہا کہ تم جاہل قوم ہو اور عقل و ہوش نہیں رکھتے تم ہذیان کہتے ہو۔ نہ کہیں اور یہ بات میں نے تمہارے غیظ و غضب کی وجہ سے کہی ہے کہ تم جاہل ہو اور مجھکو میرے بھائی جبرئیل نے خبر دی ہے کہ اس کو باہر نکالدو۔ خدا کی قسم ہم لوگوں نے اس کو باہر نکالدیا اور وہ اپنے بھائی ابوبکر کو لیکر سقیفہ میں چلا گیا۔ اور اپنے ہم خیالوں کو جمع کیا۔

ایضاً۔ ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے اسامہ کو ایک طولانی خط لکھا کہ اے اسامہ اب تو پھر میرے اور عمر کے حکم سے لشکر کا سردار ہو جا اور جس مہم پر رسول اللہ بھیجنا چاہتے تھے اور تو نہ جاسکا اب جا۔ اسامہ نے جواب دیا کہ کل تک تو تم رسول اللہ کے خلاف تھے اور ان کے حکم کو رد کرتے تھے اور قصہ قرطاس اور ہذیان کا مفصل ذکر کیا اس کے بعد لکھا۔ کیا تمکو اہلبیت رسالت سے شرم نہیں آتی۔ حالانکہ رسول اللہ نے انکی فضیلت کی وجہ سے ہمیشہ تم پر انکو مقدم رکھا۔ اور تم پر انکو امیر بنایا اور تم کو ان پر کبھی امیر نہیں بنایا۔

صاحب گوہر مراد قصہ قرطاس میں رسالہ سر العالمین سے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ ائتونی بکتفٍ ودواۃٍ لازیل عنکم مشکل الامر واذکر لکم من المستحق لھا بعدی یعنی اس معاملہ کی مشکل کو رفع کردوں اور لکھدوں کہ میرے بعد اس کا مستحق کون ہے۔

ماحصل روایات

اوّل۔ جو سابقاً عرض کیا گیا ہے۔ اس کی تصریح ان روایات میں موجود ہے۔

دوم۔ حضرت عمر کو اقرار ہے کہ انہوں نے رسول اللہ کو تحریر وصیت نامہ سے روکا تھا اور اس لئے کہ فتنہ کا خیال تھا اور فتنہ ضرور ہونا تھا۔ کیونکہ مخالفت ظاہر تھی اور مخالف

سوم۔ رسول اللہ کا منشا حضرت عمر کو معلوم تھا اور وہ یہی تھا کہ رسول اللہ حضرت علی کا نام وصیت نامہ میں لکھنا چاہتے تھے۔

چہارم۔ رسول خدا بھی مدعائے حضرت عمر کو سمجھتے تھے کہ وہ کیوں مانع تھے۔

پنجم۔ حضرت علی اپنے کو منصوص خلیفہ جانتے تھے اور ہمیشہ اسی خیال پر رہے یعنی اپنے مخالفین کو اپنے حق کا ہمیشہ غاصب جانتے تھے۔

ششم۔ حضرت علی حضرت عمر سے ناراض تھے اور ہمیشہ ان سے ناخوش رہتے تھے اور حضرت عمر اس کو جانتے تھے کہ حضرت علی ان کو اس وجہ سے دشمن رکھتے ہیں کہ ان سے خلافت چھین لی۔

ہفتم۔ حضرت عمر کو ہر وقت حضرت علی کے حرکات و سکنات کا خیال رہتا تھا۔ کہ کیا کر رہے اور کس خیال میں ہیں۔

ہشتم۔ بعض صحابہ کی نظر میں نبوت و رسالت کی کوئی وقعت نہ تھی اور حسب مصلحت وقت قول رسول اللہ رد کر دیتے تھے۔ اور بعض صحابہ اور مسلمین قول رسول کو قول عمر سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ بلکہ صاف طور پر قول حضرت عمر کو ترجیح دیتے تھے۔ اور یہ صاف انکار نبوت ہے۔

نہم۔ رسول اللہ اس وقت وصیت بالکل باخبر تھے۔ ان کی حرکات سے خوب مطلع تھے اور اس حرکت پر سخت غضبناک ہوئے اور گھر سے نکال دیا اور فرمایا کہ میں ہذیان گو نہیں۔ تم ہذیان بکتے ہو۔ وانتم قوم تجھلون۔

دھم۔ یہ جو کچھ تھا بحکم خدا تھا۔ حتّٰی کہ گستاخی کرنے والوں کا اخراج بھی بحکم خدا اور بذریعہ وحی تھا اور یہی معنی اس آیت کے ہیں۔ وما ینطق عن الھوٰے ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ۔

یازدھم۔ یہ حدیث صرف ابن عباس ہی سے مروی نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے صحابہ سے بھی ہے چنانچہ حضرت علیؑ سے بھی ابن ابی الحدید نے ایک روایت نقل کی ہے اور احادیث و روایات میں راوی حدیث قرطاس خود حضرت عمر ہیں۔ اور سعید بن جبیر پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔ لہٰذا شبلی صاحب کا یہ کہنا کہ عبداللہ ابن عباسؓ اس وقت صغیر السن تھے۔ حدیث قابل اعتماد نہیں بے اصل ہے انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ ایسا کہنے سے صدہا احادیث جو ابن عباس سے مروی ہیں اس سے زیادہ نامعتبر ٹھہرتی ہیں۔ کیونکہ یہ حدیث آخر حیات نبی کی ہے۔ اور باقی تمام اس سے پہلی جب وقت عبداللہ بہت ہی زیادہ بچے تھے۔

دوازدھم۔ یہ بھی غلط ہے۔ کہ عبداللہ ابن عباس درحقیقت وقت وفاۃ حضرت سرورِ کائنات کم سن تھے۔ بعض لڑکے خصوصاً بارہ برس میں بالغ ہوجاتے ہیں اور لڑکیاں نو برس میں اور یہ اقل مدت بلوغ ہے۔ عبداللہ ابن عباس بالکل خاص افراد سے تھے اور پھر ان کی عمر ۱۳-۱۴-بلکہ ۱۵ سال کی تھی۔ سرپیشی شارح مقامات حریری کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس کا سن اس وقت ۱۳ سال کا تھا۔ ان کی قوت حافظہ بدرجۂ کمال تھی۔ انکی معلومات کثیر تھیں۔ طالبان حدیث انکی طرف رجوع کرتے تھے۔ رسالت مآب نے ان کیلئے خاص طور پر دعا کی تھی۔

محمد بن حبان بُستی کہتا ہے کہ انکا سن اس وقت چودہ سال کا تھا۔ توفی النبی وھو ابن رابعۃ عشر سنۃً۔ سعید ابن جبیر نے ان کی عمر پندرہ سال لکھی ہے۔

عبداللہ بن عباس۔ ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ سرپیشی کہتے ہیں کہ ان کی کنیت ابو العباس تھی۔ وہ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ اور رسالت مآب کی وفات کے وقت ۱۳ برس کے تھے۔ ۶۸ یا ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ محمد بن حنفیہ نے نماز پڑھائی اور فرمایا۔ الیوم مات ربانی ھذہ الامۃ۔ آج اس امت کا عالم ربانی مرگیا۔ اور آپ کی قبر پر ایک شامیانہ نصب کیا۔

جناب رسالتمآب نے انکے لئے فرمایا۔ خداوندا تو اس کو علم و حکمت تعلیم فرما۔ اور تاویل قرآن سکھا۔

دوسری روایت میں فرمایا۔ خداوندا تو اس کو مبارک بنا اور اس سے علوم اسلامی کی اشاعت فرما۔ اور اس کو اپنے بندگان صالحین میں قرار دے۔ حضرت عمر انکو بہت دوست رکھتے تھے اور اکثر انہی سے مشورہ لیتے تھے۔ ابن عمر کہا کرتے تھے کہ عبداللہ سن رسیدہ لوگوں میں جوان علم ہیں ان کی زبان علم جو ہے اور انکا قلب بہت ادراک کرنے والا۔ عبداللہ بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے ابن عباس سے زیادہ سنت رسول کا عالم کسی کو نہیں پایا۔ وہ قومی رائے اور نظر ثابت رکھتے تھے۔

عمر بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں نے کوئی صحبت جامع خیر و خوبی مثل صحبت ابن عباس نہیں دیکھی۔ جہاں علم حلال و حرام۔ ادب۔ عربیت انساب و اشعار کے تذکرے رہتے تھے۔

عطا کہتے ہیں کہ لوگ انکی خدمت میں ہر قسم کے سوالات لیکر آتے تھے۔ اور سب کے شافی جواب پاتے تھے۔

ابووائل کہتا ہے کہ موسم میں ابن عباس نے خطبہ پڑھا اور ایک سورہ کی ابتدا کی۔ وہ اس کو پڑھتے جاتے تھے اور اس کی تفسیر بیان کرتے جاتے تھے۔ میں کہتا تھا کہ میں نے تو ایسا کلام کسی سے نہیں سُنا۔ اگر اسے فارس و روم و ترک سُنتے تو سب مسلمان ہو جاتے۔ اسیطرح طاؤس۔ ابن مسعود۔ قاسم بن محمد نے ان کے مناقب بیان کئے ہیں۔ شعرا نے انکی مدح میں بہت سے قصائد لکھے ہیں۔ اہل سنت کے ایسے جلیل القدر صحابی۔ محدث۔ راوی میں قدح کرنا تمام مذہب میں قدح ہے اور تمام صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین مصنفین احادیث کی قدح جنہوں نے انکی احادیث روایت اور نقل و اخراج کیں اور اس کو مدار مذہب قرار دیا۔ مگر شبلی صاحب ایک کم سن لڑکا لکھکر حدیث قرطاس کو ضعیف بنانا چاہتے ہیں۔

اس کے ضعیف بنانے سے سارا مذہب اہل سنت ضعیف ہو جاتا ہے۔ جو اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔

غرضکہ نصوص بالا اور حضرت عمر کے اقرار صحیح سے جب مصلحت حدیث قرطاس اور علت کتابت وصیت معلوم ہو گئی اور یہ بھی کہ حضرت عمر نے اس مصلحت رسول کو سمجھکر ہی اس سے رد کا تھا تو یہ لغو و مہمل تاویل کہ رسول اللہ خلافت کی وصیت نہیں لکھواتے تھے۔ بلکہ مسلمانوں کو مشرکین کی مشابہت سے روکتے اور قبور کو مثل نصاریٰ مساجد بنانے سے منع کرنا چاہتے تھے۔ اور اس کی علت یہ تھی کہ اُم حبیبہ اور اُم سلمہ شام گئی تھیں تو انہوں نے بہت سے گرجا وغیرہ ایسے دیکھے اور انکی رسول سے تعریف کی اور کہا مریم کا گرجا کیسا اچھا ہے۔ اور اس میں کیسی کیسی خوبصورت تصویریں بنی اور لگی ہوئی ہیں۔

رسول یہ سنکر ناراض ہوئے اور اس خیال سے مسلمانوں کو روکنے کیلئے وصیت فرمانے لگے خود باطل ہو گئی اور مؤول کی سفاہت نفسی کا ظہور۔ دروغگو مؤول نے یہ خیال نہیں کیا کہ اس سے صحابیت کا قصر معلےٰ سراسر منہدم ہو جاتا ہے کہ صحابہ باوجود ہزار مرتبہ مذمت و ممانعت پھر بھی بت پرستی کی طرف مائل تھے۔ ولا یخفی علی المتامل۔

یہ بھی یاد رہے کہ وصیت انبیاء کیلئے فرض ہے اور عام مومنین کیلئے سنت مؤکدہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔ "مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ"۔ وصیۃ لِّأَزْوَٰجِهِم "ٱلْوَصِيَّةُ لِلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ"۔ اور بیشک بحکم خدا ہی رسول اس فریضہ کو ادا فرماتے تھے۔ سخت بیغیرتی

کہ اگر یہ فریضہ تھا اور حسکم خدا سے تھا تو پھر بعد اس نزاع کے کیوں نہ لکھوا دی۔ وصیت کا فائدہ تو اسی صورت میں تھا جبکہ بالاتفاق اس کو قبول کر لیتے اور نافذ کرتے۔ جب سب نے قبول نکیا اور اختلاف بڑھگیا اور اس کو ہذیانی بات کہدیا گیا تو رسول کا فریضہ ختم ہوگیا اور غرض فوت اور اس کا وبال و عذاب مالغین پر رہا اور رہے۔

وہ یہ فرمارہے تھے۔ اور فرمادیا کہ کاغذ قلم لاؤ اور میں وصیت لکھدوں تو انہوں نے حکم الٰہی کی تبلیغ کردی۔ اور وما علینا الا البلاغ منادینا رسول کا کام نہیں ہے۔ نافذ او رجاری نہ ہونے اور لکھے جانیکا الزام روکنے والوں پر ہے۔ اور بعد اس شور و شغب نزاع و مخاصمہ اور رسول کو ہذیان کی نسبت دینے کے پھر لکھانے کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا۔ جیساکہ ہم بیان کر آئے ہیں اور جس کو ہر ذی عقل سمجھتا ہے۔ ہذیان کی بات لکھی بھی جائے تو اعتبار کیا رہا۔ لہذا یہ کہنا کہ اگر یہ وصیت رسول اگر بحکم خدا اور ضروری تھی تو بعد از نزاع رسول نے کیوں نہ لکھوادی یا حالت صحت میں بعد از افاقہ کیوں نہ لکھائی یا علی نے کیوں دوات قلم لاکر کیوں نہ لکھوالی باطل اور لغو ٹھہرا کیونکہ ثابت ہوگیا کہ اس طرح لکھدینا بیکار تھا۔ غرض فوت ہو چکی تھی اور وہی نہ لکھوانیوالے اب بھی موجود تھے اور اختلاف موجود اور پھر بھی نہ لکھنے دیتے اور خفیہ وصیت تو کوئی فائدہ ہی نہ رکھتی تھی نہ اس کی ضرورت تھی ورنہ رسول کو ایسا کہنے کی ضرورت تھی اور مقصود تو یہ تھا کہ وہ لوگ لکھوائیں اور قبول کریں اور اس پر عہد کریں اور علی کے علیحدہ لکھوانے میں تو اور بھی فائدہ مفقود تھا اس کو کون مانتا جب سامنے کی نہ مانی تو اپنے پیٹھ پیچھے لکھی اور لکھوائی ہوئی کون مانتا۔

بفرض محال اگر یہ خدا کا حکم نہ تھا اور رسول اپنے ہی ارادے سے لکھوا رہا تھا۔ تب بھی رسول رسول ہے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل مسلمانوں پر فرض۔ "ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوہ"۔ جو کچھ بھی رسول کہے اسے مانو اور جس سے روکے اس سے باز رہو۔ لہذا اسکی مخالفت کرنیوالے کسی حال میں جرم سے بری نہیں ہوسکتے۔ اور حضرت عمر نے جو گستاخی کی وہ اس صورت میں بھی گستاخی ہی ہے اور اسکی نافرمانی رسول نیز بالفرض اگر منافق مسلمانوں کے عندیہ کے موافق یہی صحیح ہو کہ رسول اس کے لکھوانے میں غلطی پر تھے تب بھی عمر کا قول مستحسن نہیں ہوسکتا وہ وہی توہین رسول رد حکم رسول اور گستاخی پر دال ہے۔ اس سے خلاصی ناممکن حقیقت یہ ہے کہ وصیت بلاشبہ بحکم خدا تھی اور ضرور مصلحت پر مبنی تھی اور مصلحت واضح بھی کردی تھی اور خدائے علام الغیوب خوب جانتا تھا کہ یہ جماعت قبول نہ کریگی اور اس لئے رسول بھی جانتا تھا۔ مگر قدرت کو

اپنا منشار ظاہر کرنا تھا اور حجت تمام کرنی اور اس جماعت مخالف کی حقیقت باطنی کا کشف اور یہ سب کچھ واقع ہو گیا۔ منشاء الٰہی ظاہر ہو گیا۔ حجت تمام ہو گئی اور مخالفین کی نیت اور مخالفت رسول کا حال منکشف ہو گیا۔ وفعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ۔ اور اس لئے اس واقعہ سے انکار یا حضرت عمر کو جرم سے بری یا رسول کو اظہار وصیت اور پھر سکوت سے خطا کار ثابت کرنے اور اس میں چون وچرا کرنے والے اپنی عشق قلبی کا اظہار کر رہے ہیں۔ وفی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا۔

آمدم بر سر مدعا

ہمیں یہاں ان مباحث کی تفصیل سے غرض نہیں۔ وصیت نامہ کا منشار رسول اللہ کا خیال اہل اسلام اور معترضین کو معلوم تھا اور حدیث کے لفظ لا یا لن تضلوا بعدہ ابداً اصاف بتلا رہے ہیں کہ وہ دائمی ہدایت نامہ تھا کوئی نئی بات نہ تھی وہی بات جس کو کم سے کم ستر مرتبہ مختلف موقعوں پر آپ نے فرمایا تھا اسی کو لکھنا چاہتے تھے۔ اور مسلمان ایسے کند ذہن خصوصاً مصلحت شناس لوگ کیونکر اس سے ناواقف ہو سکتے تھے رسول خدا وہی چاہتے تھے جس کو خدا چاہتا تھا جس کو قرآن چاہتا ہے۔ جس کو فطرت انسان چاہتی ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ معلم کتاب اللہ کی ضرورت ہے۔ کتاب صامت کے ساتھ کتاب ناطق کا وجود لازم ہے۔ اور اسی لئے آنحضرت نے اکثر فرمایا تھا کہ میں اپنے بعد تم میں اپنے دو جانشین چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب اللہ قرآن مقروء و مکتوب اور دوسری میری عترت۔ قرآن ناطق و محفوظ ان سے تمسک رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی اور بعینہ یہی منشار وصیت نامہ تھا۔ لن تضلوا بعدہ ابداً۔ ضلالت سے بچنا صرف قرآن کے ساتھ اہلبیت نبوت و رسالت ہی کے اتباع و پیروی سے ہو سکتا تھا۔ اور اسی کی تصریح تحریراً چاہتے تھے۔ تا کہ قیل وقال اور تاویل کا موقع نہ رہے۔ قول میں سہو ونسیان کا احتمال اٹھ جائے اور اقوال صادقہ کے بالمقابل جھوٹے اقوال نہ گھڑ لئے۔ تحریر رسول کے ہوتے ہوئے جعلی احادیث بنانے اور رسول پر افترا کرنے کا امکان نہ رہے اس کو حضرت عمر خوب جانتے تھے اور اسی کو روکا تھا اور یہی فرمایا کہ ہمیں اتباع اہلبیت کی ضرورت نہیں ہے۔ کتاب اللہ کافی ہے اور رسول اللہ جانتے تھے کہ کتاب اللہ خود ہدایت نہیں کر سکتی۔ اس کے ساتھ ہادی کی ضرورت ہے اگر ہادی کو مان لینگے تو کبھی گمراہ نہ ہونگے

کلمۃ حق یراد بھا الباطل

حسبنا کتاب اللہ کلمہ حق ہے۔ اس کی حقانیت ہم مفصل ثابت کر چکے ہیں

ہیں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا لیکن جو مراد اس سے لی گئی۔ اور جواب لی جا رہی ہو اور جس پر آپ کاربند ہیں وہ یقیناً باطل ہے۔ ورنہ اگر کتاب اللہ بغیر ہادی اور معلم اور کتاب ناطق کے کافی ہو تو تعلیم رسول اللہ کی کیا ضرورت تھی اور رسول اللہ کو کتاب اللہ کے ساتھ عترت کو شامل فرمانے کی کیا احتیاج تھی۔ اور اگر اس طرح کتاب اللہ کافی ہے۔ تو کیوں کفایت نہ کی۔ کتاب اللہ کو تو آج بھی تمام مسلمان مانتے ہیں سب قائل ہیں پھر اختلاف کیوں ہے۔ پھر گمراہی کیوں ہے۔ پھر کیوں روز بروز نئے نئے مذہب مسلمانوں میں پیدا ہوتے جاتے ہیں؟ کیا واقعاً اس کتاب کیلئے عمل رسولؐ اور بیان ہادی کی ضرورت نہیں ہے اور بلا ان کے بیان اور تصریح کے اس سے تمام ضروریات و احکام و فرائض استنباط کر سکتے ہیں۔ لا واللہ بالکل غلط قسم بخدا اگر رسول اللہ نے بتلائی نہ ہوتی پڑھکر نہ دکھلائی ہوتی عمل سے نہ سمجھائی ہوتی تو لفظ اقیموا الصلوٰۃ سے کوئی دنیا کا عالم عبادت کی ایک صورت خاصہ کو نہیں سمجھ سکتا تھا جس کو آج نماز کہتے ہیں اور مسلمان ادا کرتے ہیں اور یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ تفصیل اسلامی نماز میں دیکھو۔

اول تو قرآن کے کامل علم کا حاصل ہونا محال ہے دوسرے علم اور شے ہے اور صورت عملی اور شئے عبادات الٰہی کی حقیقی صورتِ عملی ہرگز معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ خود خدا نہ سمجھائے اور نہ بتلائے اور رسول اور امام عمل کر کے نہ دکھلائے۔ اسیواسطے فرمایا ہے۔ وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وکانوا لنا عابدین۔ کچھ ائمہ علیہم السلام کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ ہم نے انکو امام و پیشوائے خلق بنایا ہے جو ہمارے امر سے ہدایت خلق کرتے ہیں اور ہم نے انکو ہر فعل خیر اور اس کے عمل کی وحی کی ہے کہ کس طرح بجا لانا چاہئے۔ اور نماز کی وحی ہے کہ کس طرح پڑھی جائے۔ زکوٰۃ کی وحی کی ہے کہ کس طرح ادا کی جائے۔ اور یہ سب بس ہمارے ہی عبادتگذار اور خالص بندے تھے۔ علم و عمل کا نمونہ مسلمانوں کے پاس ساتھ ساتھ رہے۔ تو لاساتھ رہنے کو فرما چکے تھے کہ قرآن اہلبیت سے اور اہلبیت قرآن سے جدا نہ ہونگے اور اب تحریراً اس کی تائید و تاکید چاہتے تھے اور اس سے بالکل نزاع رفع ہو جاتا تھا اور قیامت تک کے لئے امت محمدی گمراہی سے محفوظ رہ سکتی تھی۔ معیار حق و باطل اور میزان صدق و کذب کتاب ناطق ان کیلئے کافی ہوتی۔ کیونکہ ان میں سے ایک کے ترک کرنے سے دوسرے کا ترک لازم اور اس کے ترک سے گمراہی یقینی ہے۔ یہی رسول فرماتے تھے اور ایسا ہی ہوا۔ اہل بیت کے چھوڑ دینے سے امت

ہیں یا ان کو سمجھایا جاتا ہے۔ خدا کفر کو پسند نہیں کرتا اور ہرگز نہیں چاہتا۔ وان اللہ لا یرضی لعبادہ الکفر لیکن پھر ہزارہا بندگان کافر و مشرک ہیں۔ تو کیا انکے کافر و مشرک ہونے سے یہ ثابت ہوا کہ خدا بھی انکا کافر ہونا ہی پسند کرتا ہے اور یہی چاہتا ہے کہ یہ سب کافر و مشرک ہوں (معاذ اللہ معاذ اللہ) ہاں کتاب اللہ الناطق بیشک کافی اور تنہا کافی ہے۔ کیونکہ کتاب صامت اس کے وجود میں ہے۔ اس کے سینے میں ہے۔ علم کتاب صامت کتاب ناطق کی صفت ہے۔ حق اس کتاب ناطق کے ساتھ ہے۔ بلکہ یہ عین حق ہے اور علی اور اولاد علی کتاب ناطق ہیں حق انکے ساتھ ہے اور یہ حق کے ساتھ یہی منشا تحریر وصیت نامہ تھا کہ حق کے ساتھ ہوگی تو امت گمراہ نہ ہوگی اختلاف نہ ہوگا۔ فرقہ بندی نہ ہوگی۔ ہر شخص معلم و عالم کتاب بنکر مذہب ایجاد نہ کریگا۔ اس کتاب ناطق کو چھوڑا گیا۔ اور حسب فرمودہ رسول امت میں گمراہی پھیل گئی اور کہنے والے نے کلمہ "حسبنا کتاب اللہ" کلمہ حق کہا مگر مراد خلاف حق لی گئی۔ بلکہ اس مقام اور اس موقع پر اس شان سے کہا گیا کہ جس سے صاف انکار نبوت لازم آتا ہے۔ رسول اللہ حکم دے رہے اور ان کے حکم کے مقابلہ میں کہا جاتا ہے کہ ہمیں تمہاری تحریر کی ضرورت نہیں تمہارے حکم پر عمل کی ضرورت نہیں ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ یہ صاف انکار نبوت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اسی سے صاف انکار کتاب اللہ بھی لازم آتا ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ کو رسول اللہ ہی لائے ہیں۔ ان کی زبان سے ادا ہوئی ہے اور جب قول رسول خدا سند نہیں حکم رسول خدا واجب التعمیل نہیں تو یہ کتاب خدا جو اسی کے اقوال ہیں اس کی زبان سے نکلے ہیں وہی لایا ہے۔ اسی نے کہا ہے کہ یہ کلام خدا کا کلام ہے۔ کیونکر وہ مستند ہو سکتی ہے۔ ایسا کہنا تکذیب الٰہی اور رد قول خدا ہے جس نے حکم دیا ہے کہ رسول کی ہر امر میں تاسی کرو۔ اطاعت کرو۔ اور جو کچھ وہ کہے اس کو مان لو اور عمل کرو۔ فلا ریب کلمۃ حق یراد بھا الباطل۔ وکفیٰ باللہ شہیداً وھو یقول "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔" "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ" "فطوبیٰ لھم وحسن مآب"۔

خلاصہ نتائج حسبنا کتاب اللہ

اوّل اس قصہ سے حرمت و عظمت رسول اللہ بہت کچھ کم ہو گئی ہے جس وقت کہ دو بدو رسول خدا کے سامنے ایسے واقعات ہوں اور ایسی قیل و قال اور اختلاف و تنازع ہو۔ بالمواجہ حکم اور قول رسول اللہ کو رد کیا جائے تو عوام الناس کی نظروں میں اور غیروں کی نگاہوں میں رسول خدا کی کیا وقعت رہ سکتی ہے؟ رسول خدا کا حکم اور قول مثل عام اشخاص شمار کیا جانے لگا۔

اس واقعہ میں تنازعہ ہونا۔ شور مچانا۔ لغو باتیں کرنا۔ رسول اللہ کا غضبناک ہونا گھر سے نکال دینا اور یہ فرما دینا کہ نبی کے تنازع نادرست ہے۔ یہ باتیں صاف بتلا رہی ہیں کہ مانعین وصیت کا ایسا کہنا اور کرنا۔ حالت مرض میں رسول خدا کے آرام و آسائش اور راحت دہی کے خیال سے نہ تھا۔ اختلاف کی حالت میں مانع یا مانعین دیگر اصحاب سے کہدیتے کہ ہمارا منشاء یہ ہے کہ ہم تو صرف رسول اللہ کے آرام کے لئے کر رہے ہیں تو کوئی تنازع نہ ہوتا اور معاملہ صاف ہو جاتا اصحاب بھی تعریف کرتے۔ رسول خدا بھی سنکر ممنون ہوتے۔ مگر ایسا نہ کیا گیا اور رسول اللہ نے ناراض ہو کر گھر سے نکال دیا پھر بھی کسی نے بچھوٹے منہ سے یہ نہ کہا کہ ہم تو حضور ہی کے آرام کیلئے ایسا کہہ رہے ہیں۔ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ آیا وصیت نامہ لکھنے یا لکھوانے میں جناب ختمی مرتبت کو زیادہ مشقت اور زحمت ہوتی یا اس چیخ و پکار سے زیادہ تکلیف ہوئی؟ مریض کے پاس شور و شغب اصول طبی و ڈاکٹری کی رو سے نہایت خطرناک ہے اور مریض کیلئے سخت مضر ہے خصوصاً جبکہ وہ سخت روحانی تکلیف پر مشتمل ہو۔ اگر رسول اللہ کی تکلیف کا خیال ہوتا تو تمام مجمع پر ایک سکوت کا عالم طاری ہوتا نہ کہ تنازعہ و مجادلہ۔ علاوہ بریں حضرت عمر نے یہ کہا کہ میں نے مصلحت مسلمین کیلئے ایسا کیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں نے آرام و راحت رسول کیلئے ایسا کیا۔ بلکہ یہ بھی ظاہر کیا کہ رسول اللہ حق سے باطل کی طرف مائل ہو رہے تھے اور ان کے وصیت لکھوانے میں فتنہ و فساد کا خطرہ تھا۔ پھر حضرت عبداللہ بن عباس بھی اس محبت آمیز سلوک اور رسول اللہ کی ہمدردی کو محسوس نہیں کرتے جو حضرت عمر سے صادر ہوئی بلکہ اس کو اسلام کیلئے عظیم ترین مصیبت سمجھکر زار زار روتے ہیں۔

اور اس واقعہ سے ابو جعفر نقیب یہ استنباط کرتے ہیں کہ اس سے حرمت و فضیلت رسول جاتی رہی۔ اچھی ہمدردی و محبت ہے؟ عظمت و حرمت رسول دلوں سے ایسی اٹھ گئی کہ شاہنشاہ کون و مکان کا مردہ بھی بے حرمت رہا۔ دین و دنیا کا بادشاہ جس کے ایک لاکھ بیس ہزار اصحابی و صحابیات ہوں تین دن بے دفن رہتا ہے اور جنازے میں صرف سات آٹھ شخص شریک ہوتے ہیں۔ سوائے اہلبیت رسول اللہ صرف اسامہ بن زید۔ شعران اور ابو طلحہ انصاری شریک ہوئے۔ بعد انتقال حضرت عمر بن الخطاب حضرت ابو بکر کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئے اور ابو عبیدہ جراح کی معیت میں سقیفہ روانہ ہو گئے (تاریخ طبری۔ ابن خلدون۔ روضۃ الصفا۔ ابن الفدا۔) اس سے بڑھکر رسول خدا کی کیا بے حرمتی ہو سکتی ہے۔

دوم۔ اس واقعہ سے عصمت رسول اللہ مشتبہ ہو گئی۔ کیونکہ رسول اللہ کے روبرو ہذیان

کی نسبت دیگئی جو صاف اور صریح عصمت و خواص نبوت کے خلاف ہے اور اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جائے کہ نسبت بطور استفہام تھی۔ تب بھی یہ شبہ رفع نہیں ہوتا عوام کو یہ خیال ہوگیا کہ رسول خدا ہذیان سے پاک نہیں ہیں۔ ان کیلئے ہذیان ممکن ہے گو اس وقت واقع نہ ہوا ہو اور بطور استفہام انکاری ہی کہا گیا ہو۔ چنانچہ اس کا ثبوت آجتک موجود ہے اور حضرت عمر سے اس اعتراض کو دفع کرنے میں بعض علمائے اہلسنت نے یہی شق اختیار کی ہے کہ نبی امراض و عوارض امراض سے معصوم نہیں ہوتا۔ اگرچہ لفظ ہذیان میں بحث کی اور اس کو استفہام ہی پر محمول کیا (شفاد عیاض) اور کتب اہل اسلام میں عصمت نبی کے متعلق متعدد اقوال ہیں۔ کوئی قبل نبوت غیر معصوم سمجھتا ہے اور کوئی بعد نبوت۔ کوئی کل اقوال میں غیر معصوم جانتا ہے اور کوئی بعد نبوت بعض اقوال میں غیر معصوم سمجھتا ہے۔ اور کوئی تمام افعال ہیں۔ کوئی خاص امر تبلیغ میں معصوم جانتا ہے اور بس۔ اور جملہ امور میں مثل عامہ بشر خیال کرتا ہے۔ اور قرآن سے استدلال "قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی"۔ کوئی رسول اللہ کو محض ایک پوسٹ مین کی منزلت دیتا ہے اور اس کیلئے تعظیم و تکریم و اطاعت و متابعت کا قائل نہیں اور آج رسول اللہ کو پکارنے۔ نام لینے میں بحث بلکہ جنگ و جدال ہے۔ بلکہ رسول اللہ کی قبر مطہر پر فاتحہ خوانی کیلئے جانا شرک سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ روضہ مقدسہ نبویہ کو صنم اکبر کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس کا منہدم کرنا موجب تقرب خدا سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ وہی حجرہ وہی گھر ہے جہاں ملائکہ وحی لیکر آئے تھے۔ جہاں بغیر اذن مومنین کیا فرشتوں کو بھی آنے کی اجازت نہ تھی۔ جہاں بلند آواز سے بولنا بحکم خدا ممنوع تھا۔ جہاں رسول اللہ کے خاص دوست حاضر ہونے میں داخلہ بہشت کی سند سمجھتے تھے۔ درآنحالیکہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے۔ حرمۃ المومن میتاً کحرمتہ حیاً۔ مومن کی حرمت مرنے پر بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ اس کی زندگی میں تھی۔ نیز زیارت قبور مومنین کو حضرت خود تشریف لیجاتے تھے اور یہ سنت برابر اہل اسلام میں جاری ہے اور خود اپنے لئے ارشاد فرمایا۔ من زارنی میتاً کمن زارنی حیاً اور حیات النبی ایک اہم مسئلہ اور غور طلب مقام ہے کہ وہ نبی جو شہید علی العالمین اور روح حیات عالم ہے اس کی موت و حیات میں کیا فرق ہے۔ کیا وہ آج مثل عوام حشرات الارض مردہ ہے؟ مگر یہ مقام اس بحث کو مقتضی نہیں ہے۔ اہل علم اس بیحرمتی کی ابتداء اس مرض الموت نبی کے واقعہ سے قرار دیتے ہیں جیسا کہ روایات ابن ابی الحدید میں آچکا ہے۔

سوم۔ حرمت رسول اللہ کے ساتھ لازمی طور پر حرمت آل رسول رخصت ہوگئی۔ اور وہ

پاک ومقدس ومعصوم نفوس صاحبان علم لدنی جن کا شرف عموم اہل اسلام بلکہ عالم پر مسلم تھا مثل عوام بلکہ ان سے بھی کم درجہ سمجھے جانے لگے۔ وہ خانہ فاطمہؑ جس کو حضوری ملائکہ کا شرف حاصل تھا جہاں حسب تصریح صاحب ینابیع المودۃ ومودۃ القربیٰ وغیرہما چھ یا نو ماہ تک رسول مقبول مع اصحاب کبار رضی اللہ عنہم صبح ہی آکر فرماتے تھے۔ السلام علیکم یا اہلبیت النبوۃ ومعدن الرسالۃ جہاں جبرئیل ومیکائیل جیسے مقرب فرشتے خدمتگاری دختر رسولؐ اور فرزندان رسول کا شرف حاصل کرتے تھے۔ اس کی یہ حرمت رہگئی کہ مسلمان اس پر آگ ولکڑیاں لیکر چڑھ آئے تھے کتب تاریخ ملاحظہ ہوں مثلاً کتاب السیاسۃ والامامۃ ابن قتیبہ اور قول عمر در باب احراق خانۂ فاطمہؑ اور فاطمہ کا فریاد کرنا یا ابتاہ ماذا لقینا بعدک من ابن الخطاب ومن ابن ابی قحافہ۔ ایضاً ابن ابی الحدید صـ۲۲۲ جلد اول) یہی مصائب تھے جس سے فاطمہؑ کی زندگی تلخ تھی اور سوائے رونے کے اور کوئی کام نہ تھا اور آنحضرت کے بعد پچھتر۷۵ دن یا چھ ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکیں اور تمام عرصہ رونے ہی میں گذر گیا۔ مدینہ میں رونے نہ دیا گیا تو اپنے ننھے ننھے بچوں کی انگلیاں پکڑ کر جنت البقیع کو چلی جاتی تھیں اور وہاں ایک درخت کے نیچے بیٹھکر شام تک باپ پر نوحہ بکا کرتی تھیں۔ آخر وہ درخت کاٹ ڈالا گیا تو دھوپ ہی میں بیٹھی رویا کرتی تھیں۔ آہ آج نہ معلوم اس بضعۃ الرسول کے دلپر کیا گذرتی ہوگی کہ آج اس ابتدا کی انتہا ہے کہ اس جنت البقیع کا نام ونشان مٹایا جارہا ہے اور اس مدعا کی تکمیل ہو رہی ہے۔

یہی اہل بیت کی بے حرمتی وبے وقعتی تھی کہ فاطمہؑ دختر رسول ایک بزرگ صحابی کے پاس اپنی موہوبہ جائداد کا دعوے کرتی ہے اور اس صدیقہ امینہ معصومہ محفوظہ طاہرہ مطہرہ کا دعویٰ اس مسلمان عدالت میں جھوٹا بتلایا جاتا ہے اور علی وحسنین کی شہادت بھی رد ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہی وہ لوگ تھے جن کیلئے رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ حق انکے ساتھ ہے اور یہ حق کے ساتھ ہیں۔ جہاں کہیں بھی ہوں۔ قرآن ان کے ساتھ ہے اور یہ قرآن کے ساتھ ہیں۔ حسبنا کتاب اللہ کہا جاتا ہے اور کتاب ناطق کی گواہی رد کر دی جاتی ہے۔ بلکہ زمانہ بنی امیہ میں برابر تراسی۸۳ سال چار ماہ یعنی ہزار ماہ علی اور اولاد علی پر سب وشتم ولعن ہوتا رہا اور بنی امیّہ کی ہزار ماہ حکومت رہی اور موافق بعض روایات چھتر۷۶ سال لعن ہوتا رہا اور عمر بن عبد العزیز نے ایک تدبیر سے بند کیا اور نہ یہ تبرا سنّت تھا اور ہر خطیب خطبہ میں لعن کرنا فرض سمجھتا تھا (تاریخ خمیس جلد دوم صـ۳۵۲)

چہارم۔ منافقین کو اس واقعہ سے بڑی قوت ہوگئی اور وہ اب تخریب اسلام اور اس

میں رخنہ اندازی کرنے میں نہایت جری ہو گئے اور جو کچھ ان سے توہین رسول اللہ ہو سکی کی۔ جہانتک
ہو سکا رسول اللہ کو خلقت کی نظروں سے گرایا اور کوئی بڑی سے بڑی بات ایسی نہ رہی جو رسول کی
طرف فعلاً منسوب نہ کی گئی ہو۔ زنا کی تہمت لگائی گئی عشق بازی اور عیاشی کے قصے بنائے گئے
شراب خواری کا الزام لگایا گیا اور وہ بھی مسجد میں اور مسجد کا نام مسجد فضیح رکھا گیا۔ باغوں میں پوشیدہ
طور پر خانگی بلکہ باعصمت عورتوں کا بلایا جانا ثابت کیا گیا اور اس مقدس و مطہر و معصوم پیغمبر کو رنگیلا رسول
بنایا گیا۔ ہمارے اس مضمون میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اور اگر دیکھنے کی ضرورت ہو تو بخاری
شریف کتاب اشربہ اور کتاب الطلاق میں جونیہ کا قصہ ملاحظہ ہو اور دو دان حضرات ہفوات المسلمین و
ہفوات الصالحین ملاحظہ کریں اور ان دونوں عورتوں کا حال اور ان قصوں کا تحقیقی رد از کتاب النکاح۔ فروع
الکافی میں ملاحظہ ہو) حقیقت واقعیہ یہ ہے۔ کہ جس طرح اکثر مصنفین اہل اسلام نے رسول عربی کی
شان کے گرانے میں کوشش کی ہے وہ کسی مذہب و ملت والے نے اپنے ہادی اور پیشوا
اور گرو کے متعلق نہیں کی۔ ہر ایک نے اپنے مقتدا کو بڑھایا ہے اور انہوں نے گرایا ہے۔ کتاب
تخطیۃ الانبیاء ہی دیکھئے کہ ہر نبی کو گنہگار اور آنحضرت کو سب سے بڑا گنہگار ثابت کیا گیا ہے اور ابتک
کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے۔ حالانکہ خدا فرماتا ہے۔ ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً و آل ابراہیم
و آل عمران علی العالمین ذریۃ بعضہا من بعض و اللہ سمیع علیم۔ سیرت النبی کو پڑھو
تمہیں صاف معلوم ہو گا کہ محمد عربی ایک بادشاہ تھا جس نے چند اصحاب کے ساتھ ملکر ایک سلطنت
قائم کر لی تھی۔ اور جو باتیں شاہان دنیا میں ہوتی ہیں سب اس میں تھیں۔ ہرگز اس کتاب سے کوئی یہ نہیں
سمجھ سکتا کہ یہ کسی برگزیدہ خدا ولی اللہ ہادی برحق پاک و مقدس ہستی کی سوانحعمری ہے اور یہی وجہ
ہے کہ آج یہ کتاب ہندوستان میں مقبول و مشہور ہو رہی ہے۔ غرض منافقین نے قوت پکڑ کر ایسی
ایسی لغو اور مہمل اور فحش باتیں حدیثوں۔ روایتوں اور واقعات کی صورت میں ڈھالکر مسلمانوں
میں پھیلا دیں کہ آج انکو لیکر کفر اسلام پر حملہ آور ہے اور ہر ملک اور ہر مقام پر پیغمبر عربی کی توہین کی
جا رہی ہے اور کافرین و مشرکین انہیں روایات و واقعات کو اپنا اسلحہ بناتے ہیں اور ان سے
ان کی تقریریں اور تحریریں پر ہیں اور منافقین کا یہی مدعا تھا۔

پنجم۔ اس سلسلہ میں بے شمار جھوٹی حدیثیں مسائل و احکام۔ اصول و فروع میں بنا کر رسول
اللہ کی طرف منسوب کر دیگئی اور اس سے تمام احکام متغیر و مشتبہ کر دیے گئے اور اس میں بھی بہت کچھ
منافقین ہی کا دخل رہا تھا کیونکہ صدق و کذب حق و باطل کے پرکھنے کا کوئی معیار مسلمانوں کے پاس تھا

یہانتک کہ عبادات جو معمول بہا تھیں وہ بھی مسخ ہوگئیں اور تقریباً چالیس سینتالیس سال ہی کے
عرصہ میں احکام رسول اور سنن رسول کی صورت ناآشنا ہوگئی (دیکھو بخاری شریف تضیع الصلوٰۃ کے
ذکر میں کہ انس صحابی رسول روتے ہیں کہ جو کچھ عہد رسول اللہ میں میں دیکھتا تھا اب اس میں سے کچھ باقی
نہیں رہا۔ کسی نے کہا۔ نماز تو باقی ہے۔ فرمایا نماز میں بھی جو کچھ تمہیں کرنا تھا کیا نہیں کر گذرے؟ یہ شام
میں امیر معاویہ کے زمانے کا واقعہ ہے پھر آج تیرہ سو سال کے عرصہ میں احکام رسول اور حقیقی
سنن رسول اللہ کی کیا صورت ہوگی؟ نیز صحیح بخاری میں مطرف بن عبد اللہ سے روایت ہے
وہ کہتا ہے کہ میں نے اور عمران بن حصین نے ایک مرتبہ علی کے پیچھے نماز پڑھی پس وہ جس وقت
سجدہ کرتے تھے تکبیر کہتے تھے جس وقت سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تکبیر کہتے تھے جب دونوں رکعتوں سے فارغ ہو کر اٹھتے
تو تکبیر کہتے جب نماز ختم ہوئی تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا اس شخص (علی) نے آج ہمیں رسول اللہ کی
نماز یاد دلادی۔ گویا معاویہ ہی کے زمانہ میں نماز محمدی فراموش ہو چکی تھی۔ آئندہ چلکر جو کچھ صورت ہو کم ہے۔

ششم۔ ہر ایک پڑھا لکھا آدمی۔ عالم قرآن و مفسر و معلم کتاب اللہ ہوگیا اور میدان تاویل
اس قدر وسیع ہوا۔ کہ جس نے جو دل چاہا لکھا اور وہی مفسرین ائمہ تفسیر قرار پائے اور ان کے اقوال تفسیر
قرآن میں مثل وحی الٰہی مصدق سمجھے جانے لگے اور سمجھے جاتے ہیں۔ آج اسی قال قیل روی او
اقول کا نام تفسیر قرآن ہے۔ شاذ و نادر ہی کہیں قال رسول اللہ آتا ہے اور وہ بھی معمولی مفسرین کی
حیثیت سے۔ نہ بطور معیار و میزان حق و صدق۔ خدا رحم کرے جلال الدین سیوطی پر کہ انہوں نے اپنی تفسیر
میں حتی الامکان احادیث رسول اللہ کے جمع کرنے کی بہت کوشش کی ہے جس طرح شیعوں
میں صاحب صافی اور صاحب برہان اس اصول کے خاص طور سے پابند ہیں۔ ورنہ عموماً باستثنا
بعض تفاسیر قیل و قال ہی سے پر ہیں اور کل شیئی فی التفاسیر الا التفسیر کا مصداق۔

ہفتم۔ مفسرین کیلئے کوئی معیار خاص نہ ہونے اور ہر ذی علم کے مفسر ہونیکے طرح اجتہاد
مسائل فقہ بھی عام ہوگیا اور صدہا مجتہد بنے اور ہزار ہا مختلف مسائل اہل اسلام میں پیدا ہوگئے
حضرت ابو حنیفہ کے بعد امام مالک اور ان کے بعد شافعی اور پھر امام حنبل خاص طور سے ممتاز ہوئے
اور آخر کار مذہب ان چار مذہبوں میں دائر خیال کیا گیا اور ان کے بالمقابل پانچواں مذہب اہلبیت
رسالت کا حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کے نام کے ساتھ منسوب ہوا۔ مگر اسکو حقانیت کے زمرہ میں جگہ نہ
دیگئی بعد ازاں ان مذاہب کی شاخیں پھیلیں اور آجتک پھیل رہی ہیں اور روز بروز مسائل میں اختلاف ہوتا رہتا

ہشتم۔ بعض دنیا پرست علماء نے حسبنا کتاب اللہ کے جملہ کا بے محل و ناجائز استعمال کیا اور کرتے ہیں اور اس سے ایک نئے مذہب کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ اور اب تک یہ مسئلہ جاری ہے۔ اور حال ہی میں لاہور میں اہل القرآن کے نام سے ایک مذہب تصنیف ہوا اور اسکی حقانیت پر اسی جملہ سے استدلال کیا گیا اور اسی سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا اور عجیب و غریب تفسیر قرآن لکھی گئی۔ نئے عیسائی بھی کم و بیش اسی کے پابند ہیں اور اسی چلتے ہوئے حربہ کو کام میں لاتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہم سے ایک لاہوری پارٹی کے مبلغ سے گفتگو ہوئی تو اس نے صاف اور صریح الفاظ میں بے پردہ کہا کہ تمام کتب احادیث صحاح ستہ اہل سنت ہوں یا صحاح اربعہ اہل تشیع ہوں سب غلط اور باطل ہیں صرف کتاب اللہ کافی ہے۔ مگر باوجود اس کے مرزا صاحب کے اقوال تمام حق و صدق "چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد" شاہ پور کے دور کعتی صاحب اسی سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ اکثر اسی اصول کو پیش کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کافی ہے۔ احادیث ملاؤں نے گھڑلی ہیں انکا کوئی اعتبار نہیں اور وہ ہر ایک بات کو قرآن سے نکالنے اور ثابت کرنے کے مدعی ہیں۔ حالانکہ مقام بحث میں عربی کے چند جملوں کے صحیح معنی بھی نہ کر سکے۔ "قرآن فہمی از ینجا معلوم"۔ آجکل تو اس حسبنا کتاب اللہ کا بہت دور دورہ ہے اور مستقل ماہواری رسالے اس مضمون پر شائع ہو رہے ہیں بلکہ آجکل کے حضرات بہت آگے نکل گئے ہیں۔ کیونکہ صدر اسلام میں باوجود ان تمام باتوں اور اختلاف کے بھی علماء ہرگز یہ نہ کر سکتے تھے اور جرأت نہ کرتے تھے کہ معاذ اللہ سنت رسول اور حدیث رسول کوئی شے نہیں اور اطاعت فرض نہیں یا تعظیم رسول بدعت ہے۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو یہ احادیث رسول اللہ آج ہم تک نہ پہنچتیں حالانکہ حسبنا کتاب اللہ ان سب علماء محدثین کے پیش نظر تھا۔ مگر ہمارے زمانے کے حضرات کہیں سے کہیں نکل گئے اور صاف لفظوں میں حسبنا کتاب اللہ کا راگ الاپ کر اتباع رسول و حدیث رسول و سنت رسول سے انکار کرنے لگے ہیں۔

نہم۔ مرکزیت اسلامی اور تنظیم قومی اٹھ گئی اور شیرازہ اسلام ایسا پراگندہ ہوا کہ کسی طرح بن سمٹنے میں نہیں آتا۔ بلکہ بکھرتا ہی چلا جاتا ہے۔ اختلاف و نفاق و افتراق روز افزوں ہے اور ایسی مرکزیت مفقود ہوئی ہے۔ کہ مسلمان اس مرکزیت کے لئے غیروں کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور کفر کے جھنڈے تلے جمع ہونے کو فخر سمجھتے ہیں۔ افسوس کہ خلافت کے پردے میں رہے سہے نام و مرکزیت کی جھلک باقی تھی تو جمہوریت کرانے اس کا بھی فیصلہ کر دیا۔

اور ابن سعود نے رہی سہی حرمت پیغمبری کا خاتمہ کر دیا۔ اب مسلمان بالکل تتر بتر بے مہار اور ایک ایسا آنا دگلہ ہیں۔ جن کا کوئی راعی۔ نگران اور چوپان نہیں ہے۔ اور اسی واسطے ہر طرف ہاتھ پیر مارتے ہیں مگر کچھ بن نہیں آتی۔ اور کوئی اسلامی نظام قائم نہیں ہوتا تنظیم واقعی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ جناب رسول اللہ جن کی شان قد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم ہے اور جو رحمۃ للعالمین کے مبارک خلعت سے آراستہ و پیراستہ تھے اسی مرکزیت کو مستحکم کرنا چاہتے تھے کہ شیرازہ اسلام نہ بکھرے اور مسلمان تتر بتر نہ ہوں اور حضرت عبداللہ بن عباس اسی مصیبت کو اب سے تیرہ سو[۱۳] برس قبل روتے تھے۔ گویا وہ اس وقت ان واقعات کو دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ یہ ان واقعات کے یقینی نتائج تھے۔

دہم۔ قرآن پاک کا دعویٰ کہ وہ جمیع علوم کی جامع کتاب ہے ہر شئے کا بیان اسمیں موجود ہے۔ ہر ایک علم کی اصل اسمیں موجود ہے۔ صرف قرآن ہی کے الفاظ میں رہ گیا اور دنیا میں صدہا علوم کے معمول بہا ہوتے ہوئے ان اہل اسلام میں جن کا مطالعہ صرف قرآن تک محدود ہے۔ سوائے چند مسائل مختلفہ جزئیہ کے اور کچھ نہیں اور دیگر مذاہب اسلام پر معترض نظر آتے ہیں۔ کیونکہ علم عالم سے ہے۔ عالم کتاب سے علم بیان کرتا تھا۔ عالم کتاب پڑھتا ہے۔ کتاب کسی کو خود عالم نہیں بنا سکتی۔ اور علم عالم کی ذات سے جدا نہیں ہو سکتا۔ عالمان قرآن ظلم و ستم کا شکار ہو گئے۔ کوئی قتل کیا گیا اور کسی کو زہر دیا گیا۔ کسی نے خانہ نشینی اور گوشہ گیری میں بسر کی اور کسی نے قید اور اسیری میں۔ جب تک زندہ رہے اس وقت بھی ان سے علم نہ لیا گیا۔ انکو عالم کی نظروں میں ذلیل و خوار دکھایا گیا۔ ان کو نان شبینہ سے محتاج بنایا گیا۔ ان کو باغیانہ خیال والے ظاہر کیا گیا اور حکماً منع کیا گیا کہ ان سے علوم حاصل نہ کئے جائیں۔ اور جو کچھ حاصل کیا ہے وہ سمندر میں سے قطرے کی مثال ہے اور وہ خاص اشخاص میں محدود وہ کلام اللہ الناطق جو فرماتا ہے۔ ان بین جنبی علوماً کالبحار الزواخر۔ بے شک میرے پہلوؤں میں دریائے علوم ٹھاٹھیں مار رہے ہیں وہ کہتا ہے لو اصبت حملۃ (ینابیع المودۃ) کاش حاملانِ علم اور طالبان علم ملتے اور میں بیان کرتا۔ بے شمار ذخائر علمی سینوں میں ہی لیکر چلے گئے۔ حضرت علی بن الحسین جنکی کچھ عمر کربلا کے ہولناک منظر کے تماشے میں کچھ

کنج عزلت میں باپ بھائیوں کو رونے میں بسر ہوئی افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

انی لاکتم من علمی جواھرہ | کیلا یریٰ الحق ذو جھل فیفتننا
وقد تقدم فی ھذا ابو الحسن | الی الحسین ووصّٰی قبلہ حسنا
یارب جوھر علم لو ابوح بہ | لقیل لی انت ممن یعبد الوثنا
ولاستحل رجال مسلمون دمی | یرون اقبح ما یاتونہ حسنا

تحقیق کہ میں اپنی علمی جواھر پوشیدہ رکھتا ہوں کہ مبادا جہال حق کو دیکھ کر ہمیں فتنہ میں ڈال دیں اور فساد کھڑا کر دیں اور یہ بات اس سے پہلے ابو الحسن علی ابن ابی طالب حسین سے کہہ چکے اور حسنؑ کو بھی وصیت کر چکے ہیں کہ جواہر علم کو دشمنان دین اور جہال عرب سے حتی الامکان پوشیدہ ہی رکھا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے۔ لاتضیعوا الحکمۃ عند غیر اھلھا نااہل کے سامنے حکمت کو ضائع نہ کرو۔ بہت سے جواہر علمیہ و حقائق و معارف ربانیہ ایسے ہیں کہ اگر میں ان کو ظاہر کر دوں تو مجھ سے کہا جائے کہ تم بت پرستوں میں سے ہو رواللہ آج بھی یہی مشاہدہ ہو رہا ہے۔ مشرک تمام اہل توحید کو کافر و مشرک کہہ رہے ہیں۔ تعظیم رسول اللہ۔ تعظیم بیت اللہ۔ تعظیم حرم رسول اللہ۔ توقیر و تکریم خانہ رسول اللہ شرک کہی جاتی ہے۔ اور حق کا نام باطل اور باطل کا حق رکھا گیا ہے۔ ایسا ہی ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ واکثرھم للحق کارھون۔ اکثر لوگ حق سے کراہیت کرتے ہیں اور وہ مسلمان میرے خون کو حلال سمجھنے لگیں جو اپنے قبیح ترین فعل کو حق خیال کرتے ہیں (جن میں فرزند رسول کا قتل عبادت سمجھا جاتا ہے) وقال علی کرم اللہ وجھہ لو حدثتکم ما سمعت من فم ابی القاسم صلی اللہ علیہ والہ وسلم لخرجتم من عندی وانتم تقولون ان علیا من اکذب الکذبین وافسق الفاسقین۔ قال اللہ تبارک وتعالٰے بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ (ینابیع المودۃ) حضرت امیر فرماتے ہیں اگر میں وہ باتیں۔ وہ علوم۔ وہ معارف۔ وہ حقائق بیان کر دوں جو میں نے رسول اللہ کے دہن مبارک سے سنی ہیں تو میرے پاس سے یہ کہتے ہوئے بھاگو گے۔ کہ (معاذ اللہ) علی سب سے بڑھکر کاذب اور سب سے بڑھکر فاسق ہے (کہا گیا۔ اس سے بڑھکر کہا گیا۔ معاذ اللہ یہودی کہا گیا چھہتر برس بر سر منبر علی پر لعن اور سب و شتم ہوتا رہا)۔

یہ علوم شرعیہ کے متعلق ہے کہ ان کو بھی ان صاحبان علم لدنی۔ وارثان کتاب۔

معلمان الٰہی اور خدا کی بولتی ہوئی کتابوں سے نہ لیا گیا۔ باقی دیگر علوم عالم امکان کا تو ذکر ہی کیا۔ کتنے مسلمان عالم ہیں جو آجکل کے مروجہ علوم قرآن پاک سے بیان کر دیں؟ حالانکہ یہ علوم علوم قرآن کے مقابلہ میں صحرا اور ذرہ کی مثال ہیں۔ اہل القرآن اور عالم علم القرآن کے مدعی از روئے حقیقت ثابت کریں کہ قرآن پاک کا یہ دعوے صحیح ہے کہ لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ ما فرطنا فی الکتاب من شیئ۔ تبیانا لکل شیئ۔ وکل شیئ احصیناہ فی امام مبین۔ حالانکہ صاحبان علوم حقیقیہ ان تمام علوم کے اشارات وقتاً فوقتاً ارشاد بھی فرماتے رہے ہیں اور بعض عارفین اور اہل باطن اور کاملین نے بھی ان میں سے کچھ حصہ لیا بھی ہے پھر بھی مدعیان قرآن سے یہ امید نہیں ہے کہ ان علوم کا قرآن سے استنباط کر کے دکھلا دیں۔ اگر کسی کو دعوے ہو تو میدان میں آئے اور قرآن پاک کی ان آیتوں کی عملی تفسیر کر کے عالم پر اسلام کی حقانیت و فضیلت کو ظاہر کر دے اور کل عالم اسلامی کو ممنون احسان بنائے۔ وانی لھم ذٰلک۔

یازدھم۔ اس اختلاف اور تنازع اور شور و شغب کے بعد امامۃ الناس۔ ہدایۃ الخلق خلافۃ الرسول کا کوئی مسلم اور معین مرکز اور معیار نہ ہونے سے اول سقیفہ میں قیل و قال کا بازار گرم ہوا کبھی منا امیر و منکم امیر کی آواز بلند ہوئی اور کبھی منا امیر و منکم وزیر کی صدا سنائی دی کبھی ہجرت سند فضیلت سنائی گئی اور کبھی نصرت رسول کا تحفہ پیش کیا گیا اور ایسی کشمکش ہوئی کہ بقول ایک بزرگ کے "اگر میں ہوتا تو میں بھی دعوے کرتا اور ہو بھی جاتا" اگر حضرت عمر کی تدبیر فوری بیعت حضرت ابی بکر میں کارگر ثابت نہ ہو جاتی تو بلاشبہ مہاجرین و انصار میں دفن رسول اللہ سے پہلے تلوار چل جاتی۔ اس کشمکش کے بعد ایسا شیرازہ بکھرا اور اصول بگڑا۔ کہ خلافۃ الرسول امارت المسلمین۔ امامۃ الناس۔ حمام کی لنگی ہو گئی جس نے اٹھائی باندھ لی۔ وہی پیشوائے مسلمین امیر المومنین کہلانے لگا۔ اور رسول اللہ کا برحق جانشین ہو گیا۔ ہر کس و ناکس۔ اہل۔ نااہل جس کو موقع ملا اور جتھا بنا لیا۔ اسی نے دعوے کر دیا۔ اور ایک ایک وقت میں سات سات دعویدار خلافت جمع ہو گئے اور سب نے کچھ نہ کچھ جماعت بنا لی (تاریخ الخلفاء) نیک و بد کی کوئی تمیز نہ رہی۔ صالح المومنین۔ امام المتقین۔ سر اللہ فی العالمین۔ آیتہ فی السموات والارضین نفوس قدسیہ۔ خانہ نشین اسیر و ذلیل ہو گئے ؎

مدارس آیات خلت من تلاوۃ ومنزل وحی مقفر العرصات

اور افسق الفاسقین۔ مخرب دین مبین بلکہ دشمنان حضرت ختم المرسلین امیر المومنین کہلائے صدیق

فاروق۔ ذوالنورین۔ اور علی مرتضیٰ کے ساتھ سلسلک امامت و خلافت میں یزید۔ مروان۔ ولید زندیق۔ مروان الحمار وغیرہم منسلک نظر آئے۔ مرتبۂ امامت جو انبیاء و اولیاء کا حق ہے (انی جاعلك للناس اماماً۔ ومن ذریتی لاینال عهدی الظالمین) آثمین۔ غادرین ظالمین۔ مبتدعین نے پایا۔ حق باطل اور صدق کذب کی صورت میں منعکس ہوگیا۔ حلال خدا حرام۔ اور حرام خدا حلال ہونے لگا۔ بلکہ دین محمدی ایک مضحکہ بنگیا۔ اس کے ساتھ استہزاء ہونے لگا۔ زانیہ عورتوں نے شراب پیکر مردانہ لباس میں پیش نمازی کی۔ یہود اور مجوس کے دین نے اسلام کی صورت میں رواج پایا۔ (تاریخ خمیس جلد دوم)

"لیبك علی الاسلام من کان باکیاً"

رسول اللہ جن کی شان میں لایظهر علی غیبه احد الا من ارتضی من رسول ہے اس کو جانتے تھے۔ یہ دن ان کے پیش نظر تھا۔ یہ واقعات ان کے سامنے تھے۔ شہید عالم انکا نظارہ کر رہا تھا۔ اور اسی واسطے مرض میں سخت بے چین تھا۔ یہی صدمہ اس کو بیقرار کیے ہوئے تھا۔ دل میں خلش تھی۔ یہی کھٹکا تھا اور چاہتا تھا۔ ایک ہدایت نامہ چھوڑ جائے اور امت کو اس گمراہی سے اور اپنے دین کو اس تباہی سے بچائے۔ مگر افسوس کہ حضور کا مدعا پورا نہ ہوا۔

دوازدہم۔ قرآن بھی مہجور ہوگیا اور اس کے ساتھ شعائر اللہ اور حرمات اللہ کی توہین ہوئی۔ قرآن اور رسول خدا دونوں کا بیان ہے کہ قوم رسول اللہ نے قرآن کو ترک کر دیا۔ خداوند عالم قول رسول کی یوں حکایت فرماتا ہے۔ وقال الرسول یرب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجوراً (فرقان ع ۳) اور رسول اللہ خدا کے سامنے روز قیامت عرض کرینگے کہ پروردگار میری قوم (قریش) نے اس قرآن کو چھوڑ دیا۔ اس کو پس پشت ڈال دیا۔ یہ رسول کا قول۔ قرآن کا بیان ہے۔ خدا کی تصدیق ہے۔ کیا یہ غلط ہے؟ ہرگز نہیں! تو کیا واقعاً قوم رسول اللہ نے قرآن کو ترک کر دیا؟ کس طرح؟ کیونکر؟ ہر مسلمان کے گھر میں قرآن ہے۔ ہزاروں حافظ قرآن ہیں۔ تقریباً ہر مسلمان بچہ قرآن پڑھتا ہے۔ ہر ایک مُلّا و مولوی قرآن سے وعظ کرتا ہے۔ ہر ایک مصنف اپنی تصنیف میں قرآن سے اقتباس آیت کرتا ہے۔ ہر ایک مذہب والا اپنے مذہب پر قرآن سے دلیل لاتا ہے کس طرح قرآن ترک کر دیا گیا؟ یا تو خدا جھوٹا یا مسلمان۔ بیشک خدا سچا اصدق الصادقین۔ ومن اصدق من الله قیلا۔ اس کا رسول صادق امین۔ اس کی کتاب صدق مطلق۔ بلاشبہ قوم رسول و راس کے ساتھ مسلمانوں نے قرآن چھوڑ دیا۔ الفاظ باقی ہیں۔ رسم باقی ہے حقیقت معنویہ مفقود ہے۔ عمل

مفقود ہے یعلم مفقود ہے۔ کیونکہ قرآن و آل رسول توام و لازم و ملزوم ہیں۔ ایک چھوٹا تو دوسرا چھوٹا۔ اہلبیت نبوّت و رسالت کو چھوڑا۔ بلکہ تباہ کر کے چھوڑا۔ خاک میں ملا کر چھوڑا۔ ان کے ساتھ قرآن بھی چھوٹ گیا۔ رسول اللہ کی طرح اس کی بھی بےحرمتی ہوئی۔ آل رسول کی طرح وہ بھی پارہ پارہ کیا گیا۔ خانۂ رسول و مسند رسول و خانۂ فاطمہؑ کی طرح وہ بھی جلایا گیا۔ کسی نے خاک میں ملایا کسی مدعی خلافت نے جلایا۔ کسی مدعی نے تیر کا نشانہ بنایا (تاریخ خمیس جلد دوم۔ تاریخ الخلفاء ابن قتیبہ وغیرہما) قرآن کی بےحرمتی کے ساتھ جملہ شعائر اللہ کی بےحرمتی ہوئی۔ قرآن کے بعد کعبہ جلایا گیا۔ حرم رسولؐ تباہ کیا گیا۔ مسجد رسول اصطبل بنائی گئی۔ نمازیوں کے بجائے مسجد میں گھوڑے بندھے۔

خاتمہ

قرآن کے اوراق اور کربلا کی خاک

بر خوانِ غم چو عالمیاں را صلا زدند	اول صلا بسلسلۂ انبیا زدند
نوبت باولیا چو رسید آسمان طپید	زاں ضربتے کہ بر سر شیرِ خدا زدند
بس آتشے ز اخگر الماس ریزہ ہا	افروختند و بر حسنِ مجتبےٰ زدند
وانگہ سرادقے کہ فلک محرمش نبود	کندند از مدینہ و در کربلا زدند
از تیشۂ ستیزہ دراں دشت کوفیاں	بس نخلہا ز گلشنِ آلِ عبا زدند
بس ضربتے کزاں جگرِ مصطفےٰ درید	بر حلقِ تشنۂ خلفِ مرتضیٰ زدند
اہلِ حرم دریدہ گریباں کشادہ موے	فریاد بر درِ حرمِ کبریا زدند

روح الامیں نہادہ بزانو سر حجاب
تاریک شد زدیدن او چشمِ آفتاب

مدینہ میں خانوادۂ رسول کی تباہی کی بنیاد رکھی گئی۔ کربلا میں خانہ رسول کی بنیادیں اکھاڑ پھینکی گئیں۔ مدینہ میں خانۂ فاطمہؑ کے جلانے کا اہتمام کیا گیا۔ کربلا کے میدان کی جلتی ریت پر سرادق عفت و طہارت کو پھونک دیا گیا۔ مدینہ میں بضعۃ الرسول کو رونے کیلئے گھر سے نکالا گیا۔ کربلا میں دختران فاطمہ کو روتا ہوا خیموں سے نکالا گیا اور دربدر پھرایا گیا۔ حرم کی بےحرمتی کے ساتھ آہوان حرم کا شکار

حلال ہوگیا۔ رسول کی بے عزتی کے بعد بضاعت رسولؐ خاک میں مل گئی ؎

کہتے ہیں کہ کربلا میں گھر زہرا کا ایسا اُجڑا کہ پھر نہ آباد ہوا

قرآن روح رسولؐ ہے اور حسینؑ جان رسولؐ۔ قرآن علم رسولؐ ہے۔ اور حسینؑ عرفان و ایمان رسولؐ۔ قرآن اخلاق محمدی ہے اور حسینؑ آئینۂ جمال احمدی۔ قرآن باطن رسول ہے اور حسینؑ گوشت و خون اور جگر گوشۂ رسولؐ ہے۔ جائے قرآن در سینۂ رسول است و خوابگاہ بر سینۂ رسول قرآن لانیوالا جبرئیل حسینؑ کا گہوارہ ہلانے والا جبرئیل۔ قرآن پاک و مقدس حسینؑ طاہر و طیب۔ قرآن کتاب صامت حسینؑ مثل نبی و علی مصحف ناطق۔ قرآن نور ہے حسینؑ نورٌ علیٰ نور۔ قرآن ہدیً للمتقین ہے حسینؑ ہدیً للعالمین۔ قرآن کتاب مبین ہے حسینؑ امام مبین حقیقت قرآن حقیقت حسینی سے مثل رسولؐ اتحاد رکھتی ہے۔ اس لئے حسینؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن حسینؑ کے ساتھ ہے حسینؑ حق کے ساتھ ہے اور حق حسینؑ کے ساتھ۔ نہیں نہیں حسینؑ قرآن ہے اور قرآن حسینؑ۔ حسینؑ کے ہر عضو بلکہ ہر موئے تن میں نور قرآن نمایاں ہے اور قرآن کی ہر ایک آیت میں ضیاء حقیقت حسینی آشکار۔ ایک میں دوسرے کا صاف عکس نظر آتا ہے ؎

بادہ نہاں و جام نہاں آمدہ پدید در جام عکس بادہ و در بادہ عکس جام

قرآن جام شراب معرفت خدا ہے اور حسینؑ بادہ نوش عشق خدا۔ ان اللہ شراباً لاولیائہ اذا شربو سکروا و اذا سکروا الخ

قرآن دیکھ کر تیروں کا نشانہ بنا اور پارہ پارہ کیا گیا۔ حسینؑ یزید کی تیغ و سہام ظلم و جور کا نشانہ بنا اور عضو عضو جدا کیا گیا اور اس کے جگر کے ٹکڑے ٹکڑے خاک میں ملائے گئے۔ اس کے دلبند خون میں نہلائے گئے۔ اور آج تک اس مصحف ناطق کے اوراق پریشان کرب و بلا کی خاک میں مدفون ہیں۔

سب بھانجے بھتیجے شہ دیں کے مر گئے اوراق یوں کتاب خدا کے بکھر گئے

صبح عاشور

مصحف ناطق بیت نبوت و رسالت سے برآمد ہوا۔ ہمشکل پیغمبر نے صبح کی اذان دی تکبیر و تہلیل کی صدا سے میدان کرب و بلا گونج اٹھا شمع امامت کے پروانے عشق الٰہی میں محو۔ گرد جمع ہوگئے۔ مجاہد نمائیوں کی آخری صف امام برحق کے پیچھے حیرت انگیز شان سے اس طرح قائم ہوئی جو کبھی چشم فلک نے نہ دیکھی تھی اور نہ دیکھیگی۔ نہ ایسا امام ملیگا نہ ایسے ماموم اور نہ ایسا میدان جہاد ہوگا اور نہ ایسی نماز و عبادت ؎

لب پہ درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئیں   تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئیں

ایک طرف مجاہدین کی صفِ نماز تھی دوسری طرف خیمہ اطہر میں سیدانیاں صف بستہ اس جماعت کا نظارہ کر رہی تھیں۔ نمازیوں کی قنوت میں دعا تھی کہ آج یہ عشق الٰہی کی مہم بخوشی و بخیر و خوبی سر ہو اور ادھر بیبیاں دست بدعا تھیں کہ یہ ہماری قربانیاں آج بارگاہ الٰہی میں قبول ہوں۔ یزیدی فوج میں قرنا پھونکی نقارہ پر چوٹ پڑی سپاہ سلح ہوئی صف بندی کے بعد سردار لشکر عمر سعد نے مصحف ناطق کی طرف تیر چھوڑا۔ نمازیوں نے نماز ختم کی اور تیر آ آ کر مصلے پہ سرنگوں ہو گئے اور اس معدن تسلیم و رضا نے فرمایا۔ یا خیل اللہ ارکبی۔ اے فوج خدا سوار ہو جا۔ ان اللہ قد اذن لکم فی قتلکم فعلیکم بالصبر۔ اللہ نے تمہیں قتل ہونے کی اجازت دیدی ہے پس تم کو صبر لازم ہے

آگیا جوش دعا یہ سن کے ہر دیندار کو   عید قرباں ہو گئی شہ کے رفیق و یار کو

فاقہ و تشنہ لبی کی حس معاً جاتی رہی   جھوم جھوم اٹھے مجاہد دیکھ کر تلوار کو

ملتجی تھے نوجواں بوڑھوں سے پہلے ہم ہیں   تھے مصر بچے کہ اول جائیں ہم پیکار کو

اپنے گہوارے میں ہمکا اصغر تشنہ جگر   روح بالیدہ ہوئی ہوش آگیا بیمار کو

بیبیوں نے پیشکش شوہر کئے بے دغدغہ   مائیں بچے لائیں نذر سید ابرار کو

بھائیوں کو کرتی تھیں تیار بہنیں بہر جنگ   فدیۂ اول بنیں یہ شوق انصار کو

خادموں نے عرض کی ہم بھی ہیں مشتاق ارم   چاہیے دہیان ان غلاموں کا بھی کچھ سرکار کو

اونٹ اٹھے گھوڑے ٹھہرے ٹاپیں زمیں پہ مار کر   ہلگیا دشت بلا جنبش ہوئی اشجار کو

مچھلیاں دریا سے ابھریں آگئے اڑ اڑ کر طیور   انتہا یہ ہے کہ حرکت ہو گئی کوہسار کو

سب قوائے فطری آئے یک بیک ہیجان میں
کیا کشش کیا جذب تھا اس مرکز ایمان میں

لشکر فسق و فجور۔ زہد و تقوے کے مٹانیکو فوج باطل حق کے دبانیکو امیر نفاق۔ ایمان کے دھمکانیکو جماعت کذب و زور مجسمۂ صداقت کو خاک میں ملانیکو۔ قرآن سوز اور قرآن دوز گروہ مصحف ناطق کو نشانہ بنانیکو آمادہ ہوا مصحف ناطق۔ قبلہ انام و کعبہ ایمان و اسلام دلبند بتول لخت جگر رسول۔ آئینہ جمال محمدی مظہر جلال ایزدی۔ ناقہ رسول پر سوار ہوا عباے رسول کندھے پر ڈالی عمامۂ رسول سر اقدس پر رکھا زرہ پہنی۔ حمزہ کی ڈھال پشت پر لگائی۔ ذوالفقار دست مبارک میں لی اور قرآن شریف کو حمائل کیا کتاب اللہ و عترتی کا حقیقی نقشہ دکھلایا کتاب صامت قرآن نے کتاب ناطق کے گلوئے مبارک

میں حائل ہوکر نور علی نور کی تفسیر کی۔ خطبہ شروع کیا اور مصحف ناطق کی زبان سے توحید و معارف کے دریا بہے اور وہ حمد و ثنائے الٰہی ادا کی جس کے سُننے سے پہلے گوش عالم نا آشنا تھے اور پھر فرمایا انشدکم اللہ ھل تعرفونی۔ تمہیں خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تم پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ تمہیں خدا کی قسم کیا جانتے ہو کہ میرا نانا خدا کا فرستادہ رسولؐ ہے؟ کہا بیشک ہم جانتے ہیں۔ فرمایا کیا جانتے ہو کہ میری ماں فاطمہؑ بنت رسول ہے۔ میرا باپ علی مرتضیٰ ہے۔ میری نانی خدیجہؑ ہے۔ سید الشہدا حمزہ میرے باپ کے چچا ہیں جعفر طیارؑ جو بہشت عنبر سرشت میں پرواز کرتے ہیں میرے چچا ہیں۔ کہا خدا گواہ ہے ہم جانتے ہیں (فرمایا) تمہیں خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ یہ تلوار جو میں لٹکائے ہوں۔ میرے نانا کی تلوار ہے۔ یہ زرہ جو پہنے ہوں رسول اللہ کی زرہ ہے۔ یہ ڈھال جو میں لگائے ہوں حضرت حمزہ عم رسول اللہ کی ڈھال ہے۔ یہ عمامہ جو میرے سر پر ہے رسول خدا کا عمامہ ہے تمہیں خدا کی قسم کیا تم جانتے ہو کہ علیؑ سب سے پہلے ایمان لانیوالے سب سے بڑھکر عالم اور سب سے بڑھکر حلیم اور ہر مومن و مومنہ کے مولا تھے کہا ہاں خدا گواہ ہے ہم جانتے ہیں۔ فرمایا پھر کس لئے میرا خون حلال جانتے ہو۔ حالانکہ میرا باپ کچھ لوگوں کو حوض سے اسطرح ہنکائیگا اور دھکیلیگا جس طرح اجنبی اونٹ پانی پر سے ہنکایا جاتا ہے۔ اور لوا الحمد اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ کہا ہاں ہم سب کچھ جانتے ہیں مگر ہم تم کو نہ چھوڑینگے۔ یہاں تک کہ آپ پیاسے ہی جام شہادت پئیں۔ یہ بھی فرمایا کیا تم کو نہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ نے میرے اور میرے بھائی حسنؑ کیلئے فرمایا۔ ھذان سید اشباب اھل الجنۃ اگر یقین نہیں تو تم میں بعض اصحاب رسولؐ موجود ہیں انسے پوچھ لو۔ پوچھو ابوسعید خدری سے سہل بن ساعدی سے۔ زید بن ارقم سے۔ انس بن مالک سے یہ تمہیں خبر دینگے کہ انہوں نے رسولؐ اللہ کا یہ قول سُنا ہے۔

شمر ذی الجوشن جواب دیتا ہے کہ میں شرک ہی ہوں اگر میں تمہاری بات سمجھتا ہوں کہ کیا کہتے ہو۔ حبیب ابن مظاہر نے فرمایا بیشک تو سچ کہتا ہے۔ اللہ نے تیرے دل پر مہر لگادی ہے۔ ایک خطبہ کا جواب ملاکہ نقاتلک بغضاً لابیک تمہارے باپ کی دشمنی میں تم سے لڑتے ہیں اور قتل کرتے ہیں۔ فرمایا۔ تم نے خدا کی اطاعت کا اقرار کیا رسول پر ایمان لائے۔ اب اس کی ذریت و عترت پر چڑھائی کی ہے قتل پر آمادہ ہو۔ لقد استحوذ علیکم الشیطان فانساکم ذکر اللہ العظیم فتبا لکم ولما تریدون انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ھؤلاء قوم کفروا بعد ایمانھم فبعداً للقوم الظالمین بیشک تم پر شیطان غالب ہے اس نے ذکر خدا تم سے بھلا دیا ہے۔ پس بُرا انجام ہو تمہارا اور تمہارے اس کام کا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان

لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں۔ خدا ان ظالموں کو تباہ کرے۔ توحید کے پتلے نے خطبۂ توحید ختم کیا۔ کتاب اللہ نے ہدایت خلق کے فرض کو ادا کیا اور اس مصحف ناطق پر دشمنانِ خدا و رسول کی طرف سے تیر دل کا سینہ برسنا شروع ہوا فوج خدا کے سپاہی داد شجاعت دے دے کر شربت شہادت سے سیراب ہونے لگے۔ شمع امامت کے پروانے آتش عشق و محبت میں کرب و بلا کی جلتی زمین پر قربان ہو کر گرنے لگے۔ میدان میں خون کی ندیاں بہیں۔ اصحاب کے بعد آل رسولؐ کی باری آئی۔ اور وہ تین دن کے پیاسے دریائے خون میں غوطے کھانے لگے۔ قاسمؑ و احمدؑ خاک و خون میں غلطاں ہوئے عون و محمد زمین پر لوٹے علی اکبرؑ نے سینے پر برچھی کا پھل کھایا عباسؑ کے شانے قلم ہوئے۔ ایک چند سالہ بچہ خیمہ سے نکلتا ہے حسینؑ کی طرف دوڑتا ہے۔ کانوں میں گوشوارے ہوا سے ہلتے ہیں اور غم و غصہ سے بدن کانپتا ہے۔ ایک بیرحم ظالم تیر کا نشانہ لگاتا ہے بچہ وا عماہ کہہ کر خاک پر لوٹنے لگتا ہے ماں دوڑ کر گلے سے لگاتی ہے حسینؑ صبر کی وصیت فرماتے ہیں حسین خیمہ اطہر میں تشریف لاتے ہیں اور بہن سے فرماتے ہیں کہ میرے کربلا در زادے کو مجھے دو۔ کہ اس کو پیار کر لوں۔ ابراہیم نام ایک شہزادہ اولاد حسنؑ کو حسینؑ کی گود میں دیا جاتا ہے حسینؑ ابھی پیار کرتے ہیں کہ ایک شقی کا تیر بچہ کا کام حسینؑ کی گود میں تمام کرتا ہے حسینؑ بچے کا منہ چوم کر اس چاند کو خاک میں چھپا دیتے ہیں خیمہ سے فریاد بلند ہوتی ہے یعنی اصغر بے شیر گہوارے میں شدت تشنگی سے جاں بلب ہے۔ حسینؑ بچے کو گود میں لے کر نا خدا ترس دشمنوں سے سوال آب کے قصد سے روانہ ہوتے ہیں۔ سوال کرتے ہیں جواب میں حرملہ کا تیر گلوئے معصوم کے ساتھ بازوئے حسینؑ کو بھی زخمی کر دیتا ہے حسینؑ آسمان کی طرف سر بلند کر کے عرض کرتے ہیں۔ خداوندا گواہ رہنا کہ ان ظالموں نے قصد کر لیا ہے کہ تیری نبی کی عترت میں سے کسی کو زندہ باقی نہ چھوڑینگے۔ خداوندا چونکہ یہ سب تیری نظروں کے سامنے ہے اس لئے میں خوش اور راضی ہوں۔ اب لشکر شیطان ہے اور یہ ناطق قرآن اور معدن اسلام ایمان

نہ مونسے نہ رفیقے نہ کثرت الناسے   نہ قاسمے نہ علی اکبرے نہ عباسے

فنظر یمیناً و شمالاً وقال ھل من ناصر ینصرنا ھل من ذاب یذب عن حرمنا ھل من موحد یخاف اللہ فینا۔ جب کوئی ناصر و مددگار نہ رہا۔ کوئی مجاہد نہ رہا اور لشکر یزید پلید سے مبارز طلبی ہوئی حسینؑ خود آئے یا کسی نوجوان کو بھیجے تو آخری رخصت کو خیمہ پر تشریف لائے کہنہ لباس زیب بدن کیا۔ مخدرات عصمت کو قید و اسیری کی خبر دیکر صبر کی تلقین فرمائی خیمہ اطہر میں کہرام برپا ہوا۔ سب کو روتا اور ولی عہد امامت کو غش میں پڑا چھوڑ کر گھر سے نکلے ؎

حسینؑ جب کہ چلے بعد دوپہر رن کو | نہ تھا کوئی کہ جو تھامے رکاب تو سن کو
سکینہ جھاڑ رہی تھی قبا کے دامن کو | حسینؑ چپکے کھڑے تھے جھکائے گردن کو

نہ آسرا تھا کوئی شاہِ کربلائی کو
فقط بہن نے کیا تھا سوار بھائی کو

تین دن کا بھوکا پیاسا خدا کا شیر میدان میں آیا۔ روباہ صفت بزدل۔ نامرد۔ ناخدا ترس لشکر میں کھلبلی پڑ گئی۔ مظہر قہر الٰہی معنی جبروت ایزدی غضبناک تھا۔ ہر حملہ میں نابکار فوج کی پچھاڑی کو فہ کی بھیڑ سے ٹکراتی تھی۔ اور میلوں پیچھے ہٹ جاتی تھی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ میدان خون سے لالہ زار ہو گیا۔ پیاسا بہادر دریا پہ وارد ہوا۔ گھوڑا ڈال دیا۔ چلو میں پانی اٹھایا تو ادھر پیاسے شہیدوں کی پیاس کی یاد نے بے چین کیا۔ ادھر سے فوج اشقیا میں سے ایک خبیث نے تیر چھوڑا۔ دہن مبارک پر لگا۔ خون سے پانی مصاف ہو گیا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ زبان مبارک سے فرمایا اور ادھر کسی لعین نے آواز دی۔ اے حسینؑ تم پانی پیتے ہو اور تمہارے خیمے کو فوج لوٹ رہی ہے۔ شبیر دریا سے پلٹا اور لشکر شیطانی نے پھر آگھیرا۔ ذوالفقار چمکی اور پھر الامان الامان۔ یا حسینؑ کی صدا بلند ہوئی۔ شمر ملعون نے خیمہ حسینؑ کو لوٹنے کا قصد کیا۔ اور ایک دستہ ادھر بھیجا مظہر غیرت الٰہی کو جوش آ گیا آواز دی۔ ویلکم یا شیعۃ ال ابی سفیان ویا شیعۃ الشیطان ان لم یکن لکم دین ولا تخافون المعاد فکونوا احرارًا وارجعوا الیٰ احسابکم ان کنتم اعرابًا کما تزعمون۔ انا الذی اقاتلکم وتقاتلونی فکفوا سفہائکم عن التعرض لحرمی مادمت حیًا فان النساء لم تقاتلکم۔ اے پیروان آل ابی سفیان واے گروہ شیطان۔ اگر تم میں دین نہیں ہے اور روز قیامت سے نہیں ڈرتے ہو تو تم شریف بنو اور اپنے حسب و نسب کی طرف رجوع کرو کہ تم اپنے کو عرب کہتے ہو میں تم سے لڑ رہا ہوں۔ تم مجھ سے لڑ رہے ہو۔ ان اپنے سفیہہ اور احمقوں کو روکو کہ جب تک میں زندہ ہوں میرے اہل حرم سے تعرض نہ کریں۔ شمر ملعون شرمندہ ہوا۔ اور باز رہا۔ وقت عصر قریب آ گیا۔ نابکار لشکریوں نے الامان کی صدا بلند کی۔ ہاتف غیبی نے ندا دی۔ یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔ اے ایمان والو اپنے عہد کو اور وعدہ کو پورا کرو۔ جہاد کر چکے اب صبر کے جوہر دکھاؤ۔ فکف عن القتال ووضع یدہ علی یدہ وقال لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

تبرکات ذوالجناح پر باندھے۔ شوق وصال غالب ہوا اور زبان حال سے فرمایا ؎

سر کٹا کریں شریک شہدا رہتا ہوں   آج میں تیری امانت سے ادا ہوتا ہوں

ابوالجنوب الجعفی لعنۃ اللہ نے تیر چھوڑا اور تیروں نے مصحف ناطق کی اس پیشانی کو بوسہ دیا۔ جس کو رسول اللہ چوما کرتے تھے۔ خون نے روئے مبارک گلگوں بنا دیا اور کلام اللہ الناطق سے آواز آئی۔ اللھم انک تری ما نافیہ من عبادک ھولاء العصاۃ۔ مولا۔ آقا۔ پیارے خدا تو دیکھتا ہے کہ تیرے ان نافرمان بندوں سے کس حال میں مبتلا ہوں۔ کسی سنگدل نے ایک پتھر پھینکا پیشانی پر لگا۔ عبا کے دامن سے چہرۂ مبارک کو صاف کیا کہ ایک زہر آلودہ تیر سہ پہلو قلب مبارک پر لگا۔ قال بسم اللہ وباللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ اور سر آسمان کی طرف بلند کرکے اپنے معبود سے عرض کیا۔ الٰھی انت تعلم انھم یقتلون رجلا لیس علی وجہ الارض ابن بنی غیرہ میرے معبود تو جانتا ہے کہ یہ ایسے شخص کو قتل کر رہے ہیں کہ جس کے سوا روئے زمین پر کوئی اور فرزند رسولؐ نہیں ہے۔ خون روئے مبارک پر ملا اور فرمایا۔ ھٰکذا اکون حتی القی جدی رسول اللہ وانا مخضوب بدمی۔ اسطرح سرخرو اپنے نانا سے ملاقات کرونگا۔ پانچ ہزار تیر اندازتیروں کی بارش برسانے لگے اور مصحف ناطق کا جسم مشبک ہوگیا صالح بن وہب المری نے پہلوئے اقدس پر نیزہ کا وار کیا مصحف الٰہی پشت زین سے زمین پر گرا۔

بلند مرتبہ شاہے زصدر زین فتاد   اگر غلط نہ کنم عرش بر زمین اُفتاد

زرعہ بن شریک خبیث نے بائیں بازو پر ضرب شمشیر لگائی اور کسی دوسرے پلید نے کندھے پر مصحف ناطق سجدۂ خالق میں زمین پر جھک گیا۔ سیدانیاں ایک ٹیلہ پر کھڑی ہیں مظلوم فرج اشقیا میں گھرا ہوا ہے خیمہ اطہر کی طرف رُخ ہے کبھی سنبھلتا ہے اور کبھی گر پڑتا ہے۔ دن ڈھلے آفتاب امامت غروب ہوتا ہے مصحف ناطق خاک و خون میں غلطاں دکھائی دیتا ہے لشکر میں صدائے تکبیر بلند ہوتی ہے۔ بھائی ذبح ہو رہا ہے۔ بہن خاک پر لوٹ رہی ہے۔ بیبیوں میں حشر برپا ہے شمر ذی الجوشن سر قلم کرلیتا ہے۔ عالم سیاہ ہوجاتا ہے۔ روئے زمین پر طوفان آتا ہے۔ آندھی چلتی ہے۔ اور جبرئیلؑ مجنونوں کی طرح سر پیٹتے ہیں۔ پنجتن پاک کا خاتمہ ہوجاتا ہے بیبیاں سر پیٹتی خیموں سے نکل آتی ہیں۔

آہ آہ آندھی چلی دشت بلا تھرا گیا   ایک اندھیرا سا فضائے کربلا پر چھا گیا

آفتاب آیا گہن میں خون کی بارش ہوئی   شمر لیکر ہاتھ میں شبیرؑ کا سر آگیا

ہوگیا برپا تلاطم خیمہ گاہِ شاہ میں   لوٹنے کو قوم بدگوہر کا لشکر آگیا

آسماں پھٹ پڑ زمیں دھنس جا ہوا رک جا وہیں — تنکے کی سر سکینہ بی کا گھر سے باہر آگیا
کوہسار و پست ہو کر بند آنکھیں آفتاب — شمر اہلِ بیت کو بے پردہ لیکر آگیا
طائرو۔ اُڑ جاؤ۔ نخلو تم ہو پیوندِ زمیں — چھیننے کو اک شقی زینب کی چادر آگیا
سوکھ جائے علقمہ! ہاں خاک میں مل اے فرات — تشنہ کاموں کے لئے اب آب کوثر آگیا
کربلا کے جعفرِ طیار! عباس جری — دیکھئے تو آپ کے بالیں پہ گھر بھر آگیا
بے کفن کشتو! خدا کے واسطے منہ ڈھانپ لو — قافلہ رانڈوں کا مقتل میں کھلے سر آگیا
او مسلمانو! اسی مذہب پہ اتراتے ہو تم — دین کا کیا ذکر تم سے کفر بھی شرما گیا

انا للہ و انا الیہ راجعون

کتاب اللہ کے جوہر "فنا میں بقا"

قرآن کے ماننے والوں کے ہاتھوں حرمات اللہ۔ شعائر اللہ۔ رسول اللہ آل رسول اللہ کی توہین و تحقیر و تذلیل اور دشمنان اسلام شیعیان آل ابی سفیان اور پیروان شیطان کا غلبہ عظمت و شوکت و سلطنت اس درجہ پہنچی کہ وہ وقت آگیا کہ دین و دنیا کے بادشاہ کی بیٹیاں۔ رسول زادیاں۔ فوج اشقیا میں قید و اسیر ہو کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام جائیں اور اہل اسلام تماشہ دیکھیں۔ فوج میں جشن فتح ہو۔ شام میں یزید پلید کا دربار لگے۔ یزید خوش ہو کہ اس نے اپنے کافر آباؤ اجداد کا بدلہ لیا۔ مصحف ناطق کو خاک و خون میں ملا دیا۔ ارکان دین کو گرا دیا۔ نشان محمدی مٹا دیا اور اب وہ اتنی جرأت کرے کہ صاف کہے کہ بنی ہاشم نے بادشاہت کا ایک کھیل بنایا تھا۔ اور اہل شام دختران رسول کو اسیر اور سرہائے اہلبیت کو نیزوں پر بلند دیکھ کر کہیں کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے تم کو قتل کیا اور تمہارے جھوٹے دین کو ذلیل و خوار و باطل کیا اسی دن کی بنیاد مرض الموت نبی میں رکھی گئی تھی۔ اسی دن کی بنیاد کا استحکام سقیفہ میں ہوا تھا۔ اور اسلئے یہ کہنا عین حق ہے کہ حسین روز سقیفہ قتل ہوئے۔ ہاں بیشک اسی دن کا بویا ہوا تخم تھا جو یہ پھل لایا۔ یزید خوش ہے کہ حسین پر فتح پائی۔ حجت خدا کو قتل کیا۔ کلام اللہ الناطق کو خاموش کر دیا۔ شمع محمدی کو بجھا دیا۔ سارے منافقوں میں جشن ہے کہ دین محمدی کا خاتمہ ہو گیا اور فاطمہ کا چاند خون کے دریا میں ڈوب گیا۔ لیکن وہ غافل ہیں جاہل ہیں۔ عقل پر نشہ حکومت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ سوزن حرص و آز نے اُن کی آنکھیں سی دی ہیں۔ مال و دولت کے غرور نے دماغ کو نور عقل سے خالی کر دیا ہے۔ حسد کی آگ نے ان کے سینہ ہائے پر کینہ میں رحم کو جلا کر خاک کر دیا ہے۔ صم بکم عمی فہم لا یرجعون

مگر سنتے نہیں۔ آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ دل ہیں۔ مگر سمجھتے نہیں۔ آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ دل ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ افلا یتدبرون القران ام علی قلوب اقفالھا۔ خدا فرماتا ہے۔ یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکفرون (توبہ نصف) کہیں نور خدا بھی گل ہو سکتا ہے کہیں آفتاب رسالت بھی غروب ہو سکتا ہے کہیں قمر امامت بھی گہن میں آسکتا ہے۔ کہیں دین خدا مٹ سکتا ہے کبھی سلسلہ ہدایت قطع ہو سکتا ہے۔ کہیں کلام اللہ الناطق خاموش ہو سکتا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں ؎

فانوس بن کے اس کی حفاظت ہوا کرے وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

دیکھو غور کرو۔ عبرت پکڑو۔ نصیحت حاصل کرو۔ خواب غفلت سے بیدار ہو۔ ہوش میں آؤ۔ اب اس کتاب کے جوہر دیکھو۔ حسین کا ہر عضو کلام اللہ ہر موئے تن کلام اللہ ہے۔ یہ مشک کے ٹکڑے ہیں زمانہ جتنا انہیں پیسیگا یہ زیادہ مہکینگے۔ المسک ماکررتہ یتضوع۔ انکا جہاں جہاں ذرہ گریگا ہدایت کے جوہر دکھلائیگا۔ کیا اس مصحف ناطق کو خاک و خون میں ملا کر اس کے سر و تن میں جدائی ڈالکر لسان حق کو خاموش کر دیا۔ کلام اللہ در خاموش لا واللہ۔ اگر تن حسین کے لاکھوں ٹکڑے کر کے خاک میں ملا دئیے جائیں اور خاک میں بلکہ ذرہ ذرہ ہو جائیں۔ پھر بھی مصحف ناطق خاموش نہ ہوگا۔ ہر ذرہ بولیگا۔ اور خلق کی ہدایت فرمائیگا۔ ابتک تو بہت کم حضرات سمجھتے تھے کہ یہ خدا کی بولتی ہوئی کتاب ہیں اب سر و تن میں جدائی ہو جاتی ہے۔ سر و تن زخموں سے چور چور ہو جاتے ہیں۔ جب اشقیاء اپنے زعم باطل میں حیات قطع کر دیتے ہیں۔ روح تن سے جدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت کلام اللہ الناطق کے معنی سمجھ میں آتے ہیں۔ اس مصحف ناطق کا سر دست شمر نجس میں تکلم کرتا ہے اور اپنے قتل کے عذاب کی خبر دیتا ہے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ نیزے پر بلند ہوتا ہے تو تکبیر کی صدا بلند ہوتی ہے۔ بازار کوفہ میں اہل حرم کا قافلہ اس شان سے پھرایا جاتا ہے کہ آگے شتران برہنہ پر اہل حرم سوار ہیں ایک بیمار کے پائے مبارک پشت شتر سے بندھے ہوئے ہیں۔ پنڈلیوں سے خوں ٹپک رہا ہے پیچھے نیزوں پر سرہائے شہدا ہیں۔ سب کے آگے آفتاب امامت ہے۔ رسولؐ کا چاند نیزے پر معراج پائے ہوئے ہے وہ زلفیں جن میں فاطمہؑ شانہ کرتی تھی ہوا سے ادھر ادھر اڑ رہی ہیں تماشبینوں کا ہجوم ہے۔ اس جلوس کو دیکھنے کیلئے اہل کوفہ جمع ہیں۔ عورتوں۔ لڑکیوں اور بچوں سے کوٹھے بھرے ہوئے ہیں۔ محملوں سے توحید کے خطبے ادا ہو رہے ہیں۔ ہدایت کے وعظ سنائے جا رہے ہیں۔ دین محمدی کی تبلیغ و تعلیم ہو رہی ہے۔ زید بن ارقم صحابی اپنے مکان پر ایک کھڑکی

میں بیٹھے ہیں۔ قافلہ قریب پہنچتا ہے صحابیٔ رسول کی نظر سر فرزند رسول پر پڑتی ہے۔ سر اقدس کھنکھارتا ہے اور باقاعدہ تلاوت قرآن شروع کرتا ہے اور موقع و محل کو دیکھکر یہ آیت تلاوت فرماتا ہے۔ افحسبتم ان اصحاب الکهف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبًا کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اصحاب کہف ہماری عجیب آیات و نشانیوں میں سے تھے زید بن ارقم بے تاب ہو جاتے ہیں۔ عرض کرتے ہیں۔ فرزند رسول تمہارا واقعہ فی الحقیقت اصحاب کہف سے بہت عجیب تر ہے ؎

دل مست محبت حسین ابن علی است — جان عاشق طلعت حسینؑ ابن علی است

حقیت اہل بیت بر خلق جہاں — ثابت ز شہادت حسینؑ ابن علی است

ہاں اسی کو خدا کی بولتی ہوئی کتاب کہتے ہیں۔ اسیکا نام مصحف ناطق ہے یہی تالی کتاب اور ثانی ثقلین کے معنی ہیں۔ قاتلان حسینؑ بلاشبہ قرآن پاک کو پارہ پارہ کرنے والے ہیں۔ اور تعجب ہے کہ اس پر دعوائے اسلام بھی کرتے ہیں ؎

سنگیں دلاں کہ سبط نبی اکیں کشند — دعوائے کنند خداوند دیں کشند

قرآں کنند حفظ و بطہ کشند تیغ — یٰسیں کنند حرز و امام مبیں کشند

یہ عترت رسول و اہلبیت رسالت کی شان ہے۔ ان کی موت و حیات ایک ہے۔ انہیں فنا میں بقا حاصل ہے۔ یہ مر کر بھی دین کو زندہ کرتے ہیں۔ انکے گلوئے بریدہ باطل کی رگیں کاٹتے ہیں انکے کٹے ہوئے بازو فسق کے سینے پر ضرب لگاتے ہیں۔ انکے خون کے قطرے منافقین کی پیشانیوں پر وبال و نکال ابدی کا نشان لگاتے ہیں اور انکی قبریں ہمیشہ کیلئے مرکز ہدایت بنتی ہیں اور خلق خدا کی خاموش ہدایت کرتی ہیں۔ کوفہ سے تبلیغ اور ہدایت خلق کا فرض ادا کرکے یہ سر اقدس مع اپنے رفقا شام کی منزلیں طے کرتا ہے۔ لشکر شقیا ر کا ایک راہب کے دیر پر گذر ہوتا ہے اور اجازت لیکر لشکر وہاں ٹھہر جاتا ہے۔ سر اقدس ایک حجرے میں مقفل کرکے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ خوابیدہ بخت لشکر اشقیا ، مست خواب ہے اور بیدار بخت راہب اپنے نصیب کی طرح جاگ رہا ہے۔ اور حجرے کے گرد پھر رہا ہے اور اس کعبہ ایمان کا طواف کر رہا ہے کہ اس کے اسرار سے مطلع ہو۔ فنظر فی شقوق الباب فرای فی الحجرۃ نورًا یطلع من الصندوق الذی فیہ راس الحسینؑ کواڑ کی درز سے نگاہ کرتا ہے تو صندوق سے ایک نور ساطع دکھائی دیتا ہے۔ واذا سقف

حضرت خود تشریف لاتے ہیں پھر سارا - ہاجرہ - راحیل یسفورہ اور خواہر موسیٰ آسیہ اور مریم مادر عیسیٰ تشریف لاتی ہیں اور ایک اور عماری سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ مادر فاطمۂ زہرا نزول اجلال فرماتی ہیں - ثم ارتفع صوت بکاء و نھیب و ظھر ھودج من نور حولہ من الحور العین کثیر - پھر گریہ و بکا کی صدا بلند ہوئی اور ایک نورانی ہودج جس کو حوران بہشتی احاطہ کئے ہوئے تھیں اُترا - ایک حوریہ نے آواز دی اے نصرانی آنکھیں بند کرے کہ فاطمۂ اپنے فرزند کے سر کی زیارت کو آتی ہے - راہب بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور وہ غشی کی حالت میں رونے پیٹنے کی آواز کے ساتھ سُنتا تھا - السلام علیک ایھا المظلوم السلام علیک ایھا الشھید اے مظلوم فرزند اے شہید راہ خدا تجھ پر اس دکھیا کا سلام ہو اے لخت جگر اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک غمگین مت ہو کہ خدا عنقریب تیرے قاتلوں سے انتقام لیگا - فاطمہ روئی اور ساتھ سب عورات روئیں - فاطمہ نے اپنے فرزند کا مرثیہ پڑھا اور اب نصرانی بالکل بیہوش ہو گیا - ہوش آیا تو حجرے کا دروازہ کھولا شمع لیکر سر اطہر کے پاس بیٹھا اور عرض کیا تجھے اس خدا کی قسم ہے - جس نے تجھکو یہ مرتبہ عطا کیا ہے - تو بتلا کہ تو کون ہے سر اقدس سے آواز آئی - ایھا الشیخ انا المقتول ظلماً و عدواناً انا المغموم الذی مات عطشاناً - میں ظلم و ستم کا مارا شہید ہوں اپنے عزیزوں اور وطن سے جدا بھوکا پیاسا ذبح کیا گیا - نصرانی نے عرض کیا - کچھ اور بیان کیجئے - آواز آئی - انا الحسین بن محمد المصطفےٰ وابن علی المرتضیٰ و سرور قلب الزھراء - وہ نصرانی خوب رویا اور اپنے ستر ساتھیوں کو جمع کیا اور قصہ سنایا وہ سب کے سب اس کے ساتھ مسلمان ہو گئے - اور کتاب اللہ الناطق نے یہاں بھی فرض ہدایت کو پورا کیا - ان تازہ مسلمانوں نے قاتلان حسین سے لڑنے کی اجازت چاہی سر حسینؑ نے جزاکم اللہ خیراً فرما کر صبر کی تلقین فرمائی - واللہ - ھذا ھو الکتاب الناطق وھو حسبنا - دیکھیں کون طاقت ہے جو اس مصحف ناطق کو بولنے سے روکدے جسمانی حکومت اور شے ہے اور روحانی نصرت اور - کلام خدا اور ہے اور کلام بشر اور ابن التراب وابن رب الارباب -

لٹا ہوا قافلہ شام میں داخل ہوتا ہے - ایک اسیر مومنہ جو محبت حسین میں اسیر ہوئی ہے سڑک سے دور قیدخانہ کے دروازہ پر زیارت کی منتظر ہے - سر وہیں رک جاتا ہے - نیزہ زمین میں گڑ جاتا ہے - اور نظر اس مومنہ پر جم جاتی ہے راز نہیں کھلتا - بیمار پہ سختی ہوتی ہے اور سر اقدس سے

آواز آتی ہے کہ ہماری ایک مومنہ ہماری منتظر ہے۔ جب تک وہ زیارت نہ کرے نیزہ حرکت نہیں کرسکتا۔ راہ عشق کی منزل طے ہوگئی۔ سر حسینؑ نیزہ سے اُتار اگیا۔ اور طشت طلائی میں زیر تخت یزید پلید رکھا گیا۔ دربار لگا ہوا ہے جشن ہو رہا ہے۔ یزید شطرنج کھیلنے اور شراب پینے میں مشغول۔ پھر سر اقدس سے کچھ بے ادبی کرتا ہے بعض غیرت مند صحابہ رسول نہیں دیکھ سکتے اور آخر اعتراض کرتے ہیں۔ اے یزید یہ کیا بے ادبی کرتا ہے۔ یہ وہی لب و دندان ہیں جن کو رسول اللہ بوسے دیا کرتے تھے۔ شاہزادیاں رسی میں بندھی سامنے کھڑی ہیں۔ حالت متغیر ہے اور ایک معظمہ کہتی ہے کہ اے یزید اگر ہمارے نانا رسول اللہ ہم کو تیرے سامنے اسطرح کھڑے دیکھیں تو تجھے کیا کہیں۔ خواہر حسینؑ کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ سر اقدس اس کو محسوس کرتا ہے اور پھر آواز آتی ہے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ اے بہن صبر کرو کہ یہ ظالم عنقریب اپنے کیفر کردار کو پہنچینگے۔

یہ کلام اللہ الناطق مر نہیں سکتا حسین آج زندہ ہے۔ بول رہا ہے۔ ہدایت کر رہا ہے تمام عالم میں فیض ہدایت جاری ہے۔ آفاق عالم میں۔ ہر قوم میں۔ ہر ملت میں اپنوں میں غیروں میں حسینؑ کا تذکرہ ہے۔ اس کے نام کا بول بالا ہے۔ اس کی فتح ہے وہ مر کر خلق کو زندہ کر رہا ہے اور اس کا نام بقاء دوام کی سند پا چکا ہے۔ یزید اور یزیدی مٹ گئے۔ انکا کوئی نام بھی عزت سے نہیں لیتا۔ یزیدی بہت ہاتھ پیر مارتے ہیں کہ اگر ہو سکے اب بھی اسلام کے مصحف ناطق کو خاموش کردیں۔ اس کا اثر مٹا دیں۔ اس کے مشن کو روک دیں۔ مگر ان کی یہ حرکت مذبوحی بیکار ہے۔ حسینؑ کی ہدایت قیامت تک جاری رہیگی "وجعلها کلمۃ باقیۃ فی عقبہ"۔ جب تک خدا ہے۔ خدا کی کتاب ہے حسینؑ اور حسینؑ کا مشن باقی ہے وہ روز عاشورہ کہہ گیا ہے اور درست کہہ گیا ہے۔

سبقت العالمین الی المعالی ۔۔۔ بحسن خلیقۃ وعلو ھمۃ

ولاح بحکمتی نور الھدی فی ۔۔۔ لیال فی الضلالۃ مدلھمۃ

یرید الجاحدون لیطفؤہ ۔۔۔ ویابی اللہ الا ان یتمہ

عظم اللہ اجورنا واجورکم بمصابنا بالحسین علیہ السلام

المذنب المسیئ السید محمد سبطین السرسوی المراد آبادی غفر اللہ لہ

نظر ثانی۔ یکم ربیع الاول ۱۳۵۹ھ ۱۰ اپریل ۱۹۴۰ء تاریخ طبع اول۔ محرم الحرام ۱۳۴۵ھ

جواہر ریزے

دفتر البرہان کی معارف آموز بے نظیر لاجواب اور نادر کتابیں

۱۔ **پیغام توحید**۔ ایک گرانقدر مضمون جو تحقیق مذاہب کی کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا۔ رسالہ کی صورت میں طبع کرا دیا گیا ہے۔ جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ **قیمت** ۱۰ر محصولڈاک ۲ر +

۲۔ **میزان حق** حقیقۃً اسم بامسمّٰی رسالہ معیار صداقت و حقانیت میزان حقیقت و حقیقت ہے قیمت ۱۲ر چند نسخے باقی ہیں محصولڈاک ۲ر

۳۔ **خلافت الٰہیہ**۔ ہر سہ حصص قیمت ۱۲ر۔ اپنی مقبولیت و شہرت کے لحاظ سے ہر قسم کی تعریف و توصیف سے مستغنی ہے محصولڈاک حصہ اول ۲ر۔ حصہ دوم ۲ر۔ حصہ سوم ۶ر +

۴۔ **البدر التمام** تحقیقات ہیئت کا بہترین ذخیرہ۔ حضرات معصومین کی حقانیت و صداقت اور ان کے علم ماکان و مایکون کے اثبات کی حجت بالغہ۔ مترجمہ حضرت مولانا سید محمد ہارون قدس سرہ۔ **قیمت** ۱۲ر۔ محصولڈاک ۴ر +

۵۔ **تحفۃ الاتقیاء**۔ عصمت انبیا علیہم السلام کے ثبوت اور رد مخالفین میں۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور عالم کتاب کا بہترین اُردو ترجمہ۔ معہ حواشی جناب سرپرست مدظلہ۔ قیمت ۱۲ر۔ محصولڈاک ۴ر +

۶۔ **سحر مبین فی اوصاف المعصومین**۔ حضرات چہاردہ معصومین کے فضائل و مناقب میں جناب مولوی معنوی کا بہترین کلام۔ **قیمت** ۸ر۔ محصول ڈاک ۲ر +

۷۔ **نور العین فی جواز البکاء علی الحسین**۔ جناب زبدۃ العارفین مولانا محسن علی صاحب سبزواری مرحوم کی ہدایت آموز تصنیف۔ ذاکرین کیلئے نادر تحفہ۔ **قیمت** ۵ر۔ محصولڈاک ۱ر +

۸۔ **شاہ یثرب**۔ شہید اعظم امام حسین علیہ السلام کی منظوم سوانحعمری۔ مجالس ماتم کی زینت۔ اپنے طرز کی بالکل نئی چیز ہے۔ **قیمت** ۱۲ر۔ محصولڈاک ۲ر +

۹۔ **ہلال محرم**۔ حضرت واسطی بنوڑی کے قلم بلاغت رقم سے نکلا ہوا معرکہ کربلا کا ٹریجک سین اور اسکے ہیرو کی محیر العقول روحانیت کا خاکہ۔ **قیمت** صرف ۴ر۔ محصولڈاک ۱ر +

۱۰۔ **رسالہ تقلید**۔ مسائل ضروریہ فقہ کا مجموعہ۔ کم علم اصحاب کیلئے سبق آموز تحفہ۔ قیمت ۴ر۔ محصولڈاک ۱ر +

۱۱۔ **الدر الفرائد فی احسن العقائد**۔ صحیح ترین عقائد کا مجموعہ۔ قیمت ۱ر۔ محصولڈاک ۱ر +

۱۲۔ **صحیفۂ رضویہ**۔ مامون الرشید کی فرمائش پر جناب امام ثامن نے یہ رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ ترجمہ کے

